A lecture of Prof. Ahmad Rafiq Akhtar, a Well known Scholar and sufi of Islam.

شناختِ منزل

شناخت منزل سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی گزارنے نکلیں اور اپنے مقام حیات کی ابتداء سے انجام تک ہم یہ چاہیں کہ اپنی زندگی قرینے، سلیقے اور خیر سے گزاریں، تو ہمیں سب سے پہلے اس رہبر اور اس تعلیم دینے والے کا نشان ڈھونڈنا پڑتا ہے جو ہمیں آرام و سکون اور عافیت کے ساتھ اس منزل دار فتن سے گزار دے اور ہمیں اپنی قبر کے دہانے تک امن سے پہنچا دے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا، بہت سارے لوگ آگ کے گڑھے کے گرد جمع ہیں۔ اس میں ٹوٹ پڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اور میں جبراً انہیں کمر سے کھینچ کھینچ کر پیچھے کر رہا ہوں۔ یہ حال اس استاد کا ہے، جس کی تمام زندگی اپنے لوگوں کے لیے ڈرتے، خوف کھاتے اور خدا سے آرزو کرتے ہوئے گزر گئی۔ فرمایا، تمام انبیاء نے اپنی دعا میں جلدی اور میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کے لیے چھپا لیا۔ جب آخر زماں آئے گا، روز محشر ہوگا۔ جب قیامت ہوگی اور میں مقام شفاعت پر رکھا جاؤں گا، تو پھر میں اپنی دعا کو خدا کے حضور پیش کروں گا۔ اس دعا کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے دل سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا، اے پروردگار! تو اس پر دوزخ کو حرام کر دے۔

جب انسان کی عقل ابھی بلوغت کو نہ پہنچی تھی۔ جب شعور ابھی پختہ کار نہیں ہوا تھا، تو خدا کو انسان کو سبق سکھانے کے لیے ایسے طریقوں کی ضرورت پڑی، جنہیں ہم معجزات، خارق عادات اور محیر العقول کام کہتے ہیں۔ جب انسان یہ دیکھتا تھا کہ اس کی استطاعت میں کوئی کام کرنا

نہیں یا اس کی عقل وفراست میں کوئی وجہ اس کام کے ہونے کی نہ نظر آتی ہو، تو خدا وہ کام کر کے بتایا اور لوگ یہ یقین کرتے کہ جب ہم ایک کام نہیں کر سکتے، تو ہم سے کوئی بالا قوت یہ کام کر سکتی ہے۔ اس کا نام اللہ یا خدا رکھا جاتا ہے۔ تمام معجزات بنیادی طور پر اس کم عقل اور شعور معاشرے کے لیے ایک دلیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن کے نزدیک خدا کا اقرار یا انکار کوئی حیرت انگیز واقعہ پر مبنی ہوتا ہے، وہ اگر کسی غیر مرئی قوت یا کسی بالائی طاقت پر یقین رکھتے ہیں، تو اس واقعہ کی وجہ سے یقین رکھتے ہیں، جو ان کی عقل و دانش میں نہ آئے۔ جسے وہ اپنی تمام تر انسانی قوتوں سے سرانجام نہ دے سکیں۔

اسی لیے جب پروردگار عالم نے یہود کا مسلسل انکار اور ان کی اطاعت سے ان کا گریز دیکھا، تو ان کے سروں پر طور پہاڑ اکھاڑ کے کھڑا کر دیا اور کہا، اب بتاؤ؟ اگر تم میری بات نہ مانو گے، تو یہ پہاڑ دیکھتے ہو، تم پر گر جائے گا۔ چنانچہ ان حجت آزماؤں نے جب یہ دیکھا کہ اتنا حیرت انگیز اور خوفناک واقعہ ہم میں سے کسی فرد کے بس کی بات نہیں کہ پہاڑ اکھاڑ دے۔ سو ایک ایسی ذات بھی ہو سکتی ہے، جسے موسیٰ اللہ کہہ رہا ہے۔ رب اور خدا کہہ رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جبراً اطاعت قبول کی۔

مگر اللہ نے جبراً اطاعت کے لیے انسان کو پیدا نہیں کیا نہ معجزات کے لیے انسان کو پیدا کیا تھا۔ جب تک ان میں شعور کی کمی تھی۔ معاشرہ جبلی اقدار کا حامل تھا اور جب تک ان کے ہاں ہوش اور شعور کی کمی تھی، خدا معجزات کا سہارا لیتا رہا۔ اللہ کو ضروری محسوس ہوا کہ وہ ان کے لیے ان کی جبلی قدروں کے پیش نظر یہ انداز اختیار کرے۔ کچھ ان میں حیرت اور خوف پیدا کرے۔ مگر یہ طریق اللہ کے نزدیک مناسب ترین طریقہ نہ تھا۔ پرانے انبیاء میں معجزات کی کثرت ملتی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام زندگی پیدائش سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے تک معجزات سے بھرپور ہے۔ کہاں کوڑھیوں کو ٹھیک کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، بے جان میں جان ڈالنا اور کہاں اتنے سارے ہنگاموں میں لوگوں سے صرف ایک اقرار لینا کہ انا ھدینہ السبیل و اما شاکراً و اما کفورا (پ ۲۹، س الدہر، آیت ۳) اگر تم یہ سارے شواہد دیکھ کے بھی ایک سادہ سی بات نہ کہہ سکو کہ اللہ ہے، تو پھر ان معجزات کا کیا فائدہ؟

مگر معجزات میں ایک پرابلم بھی تھا۔ خدا کہتا ہے میں دو علم ایک ہی جگہ سے اکٹھے

شروع کرتا ہوں۔ پھر جس میں حضرت انسان کا فائدہ ہو۔ اس کے لیے فضل ہو اور اس میں حضرت انسان کو کافی دور تک اس کی نسلوں کو فوائد پہنچیں، وہ انسان کے لیے رکھ چھوڑتا ہوں۔ فرمایا پروردگار عالم کے رسولؐ نے کہ اللہ پہلا عالم ہے۔ اللہ سب سے بڑا فیاض ہے اور سب سے بڑی فیاضی اللہ کی یہ ہے کہ اس نے انسان کو قلم اور علم عطا کیا۔ پھر سب سے بڑا عالم میں ہوں، جس نے تمہیں آگ سے بچنے کے اصول دیے۔ جس نے تمہیں جنت میں داخلے کے اصول دیے اور میرے بعد وہ عالم سب سے بڑا عالم ہے، جو لوگوں کو خدا کے لیے علم دے۔ خدا کے لیے تعلیم دے اور ان سے صلہ نہ طلب کرے۔

اس عالم اول نے انسانوں کو بنائے عقل دیتے ہوئے جو حصہ انسانوں سے لے لیا، وہ معجزات تھے۔ وہ اس لیے لے لیا کہ یہ معجزات اور جادوگری کی سوچ اکٹھی تھی۔ سحر اور جادوگری بھی حیرت انگیز کام سرانجام دیتے۔ اگر معجزات کا سرچشمہ خدا کی ذات تھا، تو جن اور بھوت بھی جس چیز کا علم حاصل کر کے لوگوں کو فریب ذات دیتے تھے یا لوگوں کے ساتھ دھوکہ کرتے تھے، بنیادی طور پر اس کی بھی تخلیق اللہ ہی کے پاس تھی۔ مگر سحر صرف اور صرف اس لیے تخلیق کیا گیا کہ یہ لوگوں کے ایمان، راستی اور عقل کی آزمائش تھی۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کے پیغمبر کفر نہیں کرتے تھے۔ وہ جو تعلیم دیتے تھے، ان کے پاس حیرت انگیز کمالات تھے۔ جانوروں کی زبان سننے کا ملکہ تھا اور ان کے پاس تسلیم و رضا تھی۔ ہواؤں کو مسخر کرنا اور ان کی جنات پر قوت تھی۔ یہ سب اللہ کی مدد سے تھی۔ اللہ کے لیے تھی اور اللہ ہی کے لیے وہ استعمال ہوئی۔

مگر اس معاشرے کے لوگ اپنے اختیارات کی خواہش کو اتنا بڑھا چکے تھے کہ جب خداوند کریم نے دوسری سمت اور اس دوسری طرز جہالت کو ان کے لیے پیش کیا، تو بجائے صحت مند عقلی افتخار کے جاہلانہ روش کی طرف مائل ہوئے۔ اگرچہ ملائکہ انہیں یہ کہتے تھے کہ خبردار! ہم نے اس لیے نہیں ہاروت و ماروت کو نازل کیا تھا کہ خدا کی طرف سے لوگوں کو سحر سکھائیں، بلکہ اس لیے نازل کیا تھا کہ دیکھو، یہ ایک ناقص چیز ہے، جو خدا کی راہ سے تمہیں بہکا دیتی ہے۔ یہ ایک غلط طرز عمل اور غلط طرز فکر ہے۔ جادو کی رغبت رکھنا، سحر کی فکر کرنا، سحر کی سمت جانا بہتر انسانوں کا شیوہ نہیں ہے۔ یہ تمہیں یقیناً خدا کے راستے سے بہکا دے گی۔ اس لیے اس کی طرف نہ جانا اور اگر جانا ہوا، تو کفر کا ارتکاب لازم ہو جائے گا۔ اگر تم اس طرف گئے، تو یقین جانو کہ تم ایمان کو چھوڑ کر کفر

کے رستوں پر جا رہے ہوں گے۔ لیکن اس وارننگ کے باوجود وہ علم کی ان ناقص ضروریات کی طرف جاتے تھے۔ حالانکہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ اس سحر اور اس جادو کا اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ بھولی بھالی عورتوں کو بہکا کر ان کو خاوندوں سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس کے اثرات میں میاں بیوی میں فرق ڈال دیتے ہیں۔

مگر کیا جادو اور سحر فراق ڈال دیتا ہے؟ کیا اس میں اتنا علمی کمال موجود ہے کہ خدا کے ہوتے ہوئے اور اس کی بندگی کرتے ہوئے یہ اتنا بڑا فرق ڈال دے؟ ایسا بالکل نہیں ہے۔ بلکہ ایک بنیادی وجہ سحر کے اثر کی یہ ہے کہ جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہوا، اللہ اس پر ایک شیطان کو غلبہ دیتا ہے اور وہ اس کے قریب رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جادو کا بنیادی وصف یہ بتایا کہ تم ایسی بات کیوں سیکھتے ہو، ایسی بات کی طرف کیوں جاتے ہو، جس کا کوئی ضرر ہے نہ کوئی نفع۔ سائیکالوجی کا ایک قانون اعتبارات کا قانون ہے کہ چاہو تو اعتبار کرو، چاہو تو نہ کرو۔

علم اور اعتبار میں بڑا فرق ہے۔ علم اعتبار کرواتا ہے۔ علم کے پاس دلائل، شواہد اور براہین ہیں، تجربات ہیں۔ آپ نہ بھی ماننا چاہو، علم آپ سے حقائق کی بنیاد پر اپنے آپ کو تسلیم کرواتا ہے اور اعتبار کے لیے آپ کو دانستہ اپنے عدم اعتبار کو معطل کرنا پڑے گا۔ اپنے شک وشبہ، تنقید اور اپنے ذہن کے تمام سوالات کو معطل کر کے آپ کو اس بات پر یقین لانا پڑے گا۔ اگر آپ کا شک وشبہ، عقل، دین، خدا پر اعتبار اور اسلام سلامت رہا، تو آپ کسی سحر کاری، کسی جادوگری اور کسی تعویذ اور اس کی کسی نقصان دہ چیز پر اعتبار نہیں کر سکتے۔

اس کی وجہ؟ دیکھو، جو خدا علم کو آپ کی پیدائش سے بہت پہلے شروع کرتا ہے۔ جو مقصد انسان یہ بتاتا ہے کہ ان ھدینہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً اب اس کا انجام دیکھیں۔ جب آپ قبر میں جاتے ہیں اور مردہ جانے والوں کے قدموں کی آواز سنتا ہے۔ جب وہ جانے والے اسے رخصت کر کے اپنے عدم کو سدھار جاتے ہیں اور یہ دوسرے عدم کی تیاری کر رہا ہوتا ہے، تو منکر نکیر تشریف لاتے ہیں۔ وہ رسول اللہؐ کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون تھا؟ اس شخص نے تمہیں کیا دیا؟ یہ جسے تم زندگی میں رحمتِ دو عالم اور رسول اللہؐ کہتے تھے۔ جس کی نعتیں پڑھتے اور گیت گاتے تھے۔ جسے ملائے اعلیٰ سے سب سے بڑی ہستی سمجھتے تھے۔ بعد از خدا بزرگ توی قصہ مختصر کہتے تھے، اب ذرا بتاؤ کہ یہ کون ہیں؟ جس نے دنیا میں

باقاعدہ تعلیم وتربیت اور قرآن وحکمت کے ساتھ اپنے رسول پر ایمان رکھا، وہ تو فوراً پڑھ کے سنا دے گا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد عبدہ و رسولہ کہ اس صورت گرامی کو نہ پہچانوں، تو میں اپنی اصل نہیں پہچانوں، تو میں اپنی اصل نہیں پہچانتا۔ یہ تو وہ ہیں، جنہوں نے مجھے آگ کے گڑھے سے نجات دی۔ جن کی برکات ازلی مجھ تک ہیں۔ قیامت تک انہوں نے میرے ساتھ جانا ہے۔ ان کو کیسے بھول جاؤں؟ پھر اس کو کہا جاتا ہے، تو اپنے جنت میں مقامات دیکھ لے۔ رنجیدہ نہ ہو، تیرا جواب درست ہے۔ دور تک دیکھ! یہ رحمتیں، یہ قبر کی کشادگی، یہ تیری روح پر سے بوجھ کا اٹھنا، یہ سب اسی ہستی کی برکت سے ہے۔

یہ بڑی اہم بات ہے، جو میں آپ کو بتانے والا ہوں۔ یہ بات اس سسٹم پر ضرب لگاتی ہے، جس سسٹم پر ہمارا آج کا اعتقاد کھڑا ہے۔ جب ایک دوسرے بندے سے پوچھا جائے گا کہ تو کیا اس شخص کے بارے میں کہتا ہے؟ کہے گا، میں ٹھیک طور پر نہیں کہہ سکتا I do,t know exactly میں نے خود تو سوچا ہی نہیں۔ میں تو وہی کہتا تھا، جو دوسرے لوگ کہتے تھے اور دوسرے لوگ تو یا ور یہ کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے۔ ملائکہ یہ کہیں گے کہ اے بدبخت! تو نے زندگی بھر اپنی عقل استعمال نہیں کی۔ تو نے کبھی کتاب پر غور وفکر نہیں کیا۔ تو منافق ہے اور تیری سزا یہ ہے کہ ستر سال کا بوجھ تیرے سر پر آن پڑا ہے۔ یہ عذاب تیرے لیے ہے اور تیرا مقدر ہے کہ تو نے خدا کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت کی بےقدری کی۔ تو نے علم ومعرفت کی بےقدری کی۔ تو نے اپنے وصف کو زمین میں دبا دیا۔ تو اب ہم سے کیا توقع رکھتا ہے کہ ہم تجھے کیا دیں؟

ایک بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ آپ کے تمام علوم اور آپ کے تمام پیشے کسی کردار کا تقاضا نہیں کرتے۔ کسی ڈاکٹر کا پیشہ جب وہ تعلیم حاصل کر رہا ہوتا ہے، کسی کردار کا تقاضا نہیں کرتے۔ آپ بدکار ہوں یا بےکار، آپ غصے والے ہوں یا جذباتی، آپ لعنت وملامت والے ہوں یا رحمت والے، آپ کو اپنا استاد یہ نہیں کہے گا کہ پہلے یا خلاق پیدا کرو، پھر میڈیکل سائنسز کا مطالعہ کرو۔ آپ کو صدر شعبہ یہ نہیں کہے گا کہ اس فارمولے کے پیچھے فلاں کردار چاہیے۔ یہ نہیں ہوتا۔ تمام پیشہ ورانہ علوم آپ سے حصول علم کے وقت کسی کردار کا مطالبہ نہیں کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سوسائٹی آپ کو اخلاقی نظام دیتے ہوئے ایک پروفیشنل اخلاق دے۔ ڈاکٹر یا انجینئر کہے کہ ڈاکٹری یا انجینئرنگ حاصل کرنے کے بعد یا خلاق آپ کو چاہیے۔

جو بھی آپ چار بندے حصول تعلیم کے بعد جب کوئی نظام مرتب کریں، تو وہ اخلاقی نظام ہوتا ہے، اس مضمون کا نظام نہیں ہوتا۔ کوئی بھی سائنسی علم یا حساب آپ کے خیالات اور جذبات سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ کسی قسم کے مخصوص کردار کا تقاضا نہیں کرتا۔ ہم اس کو علم نہیں کہتے۔ پیشہ ورانہ مضامین کو ہم علم نہیں کہتے۔ وہ چیز جو آپ کو جز وی زندگی گزارنے میں آپ کو مدد دے رہی ہے، اسے علم نہیں کہتے۔ علم وہ ہے، جو آپ کی پوری زندگی کی ترجیح اور آپ کی بنیاد ہے۔ جو آپ کا انجام ہے اور جو آپ کو اس دنیا سے بسلامت گزارتا ہے۔ اس دنیا کے بعد اگر کوئی منزل عقلی اور ذہنی طور پر ہے، تو آپ کو اس منزل سے بھی بسلامت گزارتا ہے۔ یہ علم کائنات اور زمین میں صرف اور صرف خدا کی طرف سے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاری ہوا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے انسانوں کی کردار سازی کی۔ انسان کی اخلاقی عمارت کو استوار کیا۔ وہی لوگ تھے جنہوں نے معاشرے کو غاروں کی منازل سے سکائی سکریپر اور نیوکلیئر تک پہنچایا۔ مگر ہائے قسمت کہ انسان اتنا احسان ناشناس ہے کہ انہی اور اپنے لوگوں کی محنتوں سے مسلسل انکار کیے جا رہا ہے۔

علمیت کی جب ہم انتہا دیکھتے ہیں، تو علم تین قسم کے فیصلے کرتا ہے۔ یہ آپ کے ماضی سے آپ کی غلطیوں اور خوبیوں کو آگے بڑھاتا ہے۔ علم فیصلہ کرتا ہے کہ آپ کے ماضی میں سے کیا سلامت رکھنا ہے اور کیا ترک کرنا ہے۔ علم آپ کو تجربات کی زندگی سے گزار کر آپ کو ایسے ناقص تجربات سے گریز کرواتا ہے، جس کی وجہ سے آپ اپنی بقا میں، ماضی میں غلطیاں کر چکے ہیں۔ یہ معاملات حاضرات کو حل کرتا ہے۔ آپ کے موجود کے لیے باعث رحمت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علم آپ کی شناخت منزل ہے۔ علم آپ کو انجام کی منزل خیر تک پہنچاتا ہے۔ جو علم کے نزدیک آخری اور رفائی ہے۔ آپ کو عالم کے سوا کون یہ بتا سکتا ہے کہ جس دنیا سے آپ گزر رہے ہو، یہ قلیل ہے۔ لہو ولعب ہے۔ آپ ایک سراب کی تمنا کر رہے ہیں۔

مگر کیا پھر انہوں نے آپ کو ترک دنیا کا مشورہ دیا؟ یہ اچھی طرح یاد رکھیے کہ کسی پیغمبر نے بھی اپنی امت کو ترک دنیا کا فتوٰی نہیں دیا، علم نہیں دیا۔ صرف اہمیتوں اور ترجیحات کی وضاحت کی۔ مگر یہ نہیں کہا کہ ان کو ترک کر کے گوشہ نشین ہو جاؤ۔ رہبانیت اور فاقے اختیار کرو۔ صرف ایک بات کہی کہ خدا کے مقابلے میں ان کو زیادہ اہم مت سمجھو۔ اس دنیا سے گزرتے

ہوئے، سب سے مضبوط اثاثے کی فکر کرو۔ صرف یہ کہا کہ یہ آگ والا گھر ہے۔ اس تمام گھر کو شہوات کی، زینتوں کی آگ لگی ہوئی ہے۔ جب کسی گھر میں آگ لگی ہوئی ہو، تو سب سے قیمتی چیز بچاتے ہیں۔ جب گھر کو آگ لگی ہوئی ہو، تو تنکا تنکا نہ بچاؤ بلکہ سب سے اہم چیز یہاں سے بچا کے نکل جاؤ اور سب سے اہم چیز لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؑ ہے۔ یہ اتنے بڑے سبق تو نہیں تھے کہ جو ہمیں تواتر سے بھولتے چلے آتے ہیں۔

بہت سارے رستوں پر چل کر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ خیر کا طلب گار ہے اور شر سے اجتناب کرنا چاہتا ہے۔ چند ایک شوریدہ سر لوگوں کو چھوڑ کر ایسا کوئی نہیں ہے، جس کو خیر کی طلب نہ ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ خیر کا رستہ کون سا ہے؟ یہ کیسے دیکھا جائے کہ خیر شر نہ ہو اور شر خیر نہ ہو جائے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ تعداد کی کثرت خیر ہے، تو یہ بڑا مشکل فیصلہ ہوگا۔ مسلسل روزہ اطفال رکھنا ہی ثواب اور خیر ہے تو بڑا مشکل ہوگا؟ میں نے اپنی زندگی بھر کوئی ایسا خیر کا خیال نہیں سوچا، جو میرے رسولؐ نے پہلے سے نہ سوچا ہو اور پہلے سے اس خیر کا جواب نہ دیا ہو۔ خیر کے سارے رستے ادھر کو جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ عقل ہے۔ معرفت اور دانائی ہے اور وہ ہم نادانوں کی پناہ ہے۔

پروردگار عالم نے خیر کو خیر نہیں، بلکہ فتنہ کہا ہے۔ خیر و شر دونوں کو فتنہ کہا ہے۔ اگر آپ سمجھیں گے نہیں اور غور نہیں کریں گے اور آپ اللہ کے رسولؐ کی زندگی کا مطالعہ خود نہیں کریں گے، تو آپ ہمیشہ شر تو بڑی دور کی بات ہے، خیر کے فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ ایک حقیقی بات ہے۔ جیسے وہ لوگ مبتلا ہوئے، جو رسول اللہؐ کے پاس آئے۔ امہات المومنین سے رسول اللہ کی زندگی پر سوال کیے گئے اور کہا، وہ تو بخشے بخشائے ہیں۔ ہم تو ساری عمر روزے رکھیں گے۔ کبھی نکاح نہیں کریں گے۔ جب حضورؐ کو اس کی خبر ہوئی، تو حضورؐ میں آ گئے۔ فرمایا، تم میرے لوگوں میں سے نہیں ہو۔ کیونکہ ہماری رسمیں کچھ اور ہیں۔ ہم تو نکاح کریں گے، روزے رکھیں گے، افطار کریں گے۔ ہم تو نماز پڑھیں گے اور سوئیں گے۔ کثرت خیر ذہنی ابتلا اور فتنوں کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ اگر ایک شخص مجھے کہے کہ ایک سترہ سال کا جوان مسلسل تہجد پڑھ رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، میں اعتبار کرلوں گا؟ مجھے پتہ ہے یہ عمر تہجد پڑھنے کی نہیں ہے۔ یہ ضرور سڑیل اور دیوانہ ہوا ہے۔ میں ضرور یہ جاننا چاہوں گا کہ یہ کثرت خیر کہیں معاملات عشق میں بیکاری تو نہیں ہے؟ کہیں حصول مطلب کی وجہ سے اللہ کے ہاں سر تو نہیں پٹخ رہے ہیں؟ یہ بڑا ضروری ہے کہ خیر کے

ہر معیار کے لیے بھی ہم رسول اللہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضورؐ کی حدیث ہے فرمایا"لوگو! شر کے بارے میں سوال نہ کرنا۔صرف خیر کا مطلب پوچھا کرو۔دیکھیے کتنی واعظانہ اور کتنی عقل مندی کی بات ہے کہ شر تو بڑا واضح ہوتا ہے۔تم اس کے بارے میں پوچھ پوچھ کے اتنے وساوس میں کیوں اضافہ کرتے ہو؟ حضرت عباسؓ نے عرض کی، یا رسول اللہؐ! نماز میں بڑے وسوسے آتے ہیں لیکن مثال یہ فرمائی کہ اتنے تلخ و ترش اور خوفناک وسوسے آتے ہیں کہ دل جاتا ہے کوئلے کی طرح جل کے خاک ہو جاؤں۔اس استادِ معظم نے فرمایا،تم شکر نہیں کرتے ہو،خدا نے تمہارے حقائق امثال میں بدل دیے ہیں۔کیا خوبصورت بات فرمائی کہ بجائے وسوسے سے ڈرنے،گھبرانے اور پریشان ہونے کے،اگر اتنا بدتر وسوسہ تمہیں ذہن میں آ رہا ہے تو بھی خدا کا فوراً شکر ادا کرو کہ اے پروردگارِ عالم! تیرا ہزار ہزار کرم ہے کہ یہ وساوس عملی نہیں ہیں۔یہ عمل پذیر نہیں ہے۔یہ خیال میں آئے،خیال سے نکل گئے اور بجائے ان سے ڈرنے کے آپ اللہ کی تعریف کرو اور تعویذ پڑھو اور تین مرتبہ بائیں طرف دھتکار دو اور یہ کہو امنت باللہ و رسولہ تو ہر وسوسہ ختم ہو جائے گا۔حضورؐ نے فرمایا، یہ ایک شیطان ہے جو نماز میں وسوسے ڈالتا ہے۔اس کا نام خنزب ہے۔یہ حرمتوں کی بے حرمتی کرتا ہے۔ایسے ایسے نکمے سوال اٹھاتا ہے کہ انسانی عقل اس کا جواب نہیں دے سکتی۔

دورِ عہدِ قدیم ہو یا عہدِ حاضر،انسانی ذہن کا سب سے بڑا المیہ ایک ہے کہ ایسا سوال اٹھا لینا،جس کے جواب کا ڈیٹا اس کے پاس نہیں ہے۔سوال کرنا کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اس چیز کو کسی نے پیدا کیا؟ سوال Teleological کرتے جانا،کرتے جانا۔اس نے اس کو کیا۔اس نے اس کو کیا۔اس نے اس کو کیا اور آخر میں سوال کرنا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا اور سوال کرنا کہ کیا اللہ اپنے سے بڑا پتھر بنا سکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہیں،جن کے جواب کا ڈیٹا انسان کے پاس نہیں ہوتا۔جب تک آپ کے پاس اس گورکھ دھندے سے نکلنے کے لیے عقل و رشد کی سبیل نہ ہو،آپ ان سوالوں میں الجھے ہوئے شکوک و شبہات کی دنیا کے قیدی ہو جاتے ہیں۔یہ وہ سراب ہے جہاں عقل آپ کی پیاس بجھانے نہیں آتی۔اس لیے کہ وہ بھی ڈیٹا پر چلتی ہے۔

رسول اللہ کی تمام زندگی لوگوں کو ان کی مقدور بھر حیثیت دماغ بتانے میں صرف ہوئی۔ وہ تمام وقت کے انٹلکچوئل تھے۔زمین پر ایسا عاقل کوئی نہیں گزرا۔کیا حیرت کی بات ہے کہ ابھی

تک زمین وآسماں میں آدم اس حقائق پر تو نہیں پہنچے تھے۔جس حقیقت تک محمد رسول اللہ پہنچے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! خدا زمین وآسمان بنانے سے پہلے کہاں تھا؟ فرمایا، وہ تو دھند میں تھا۔ اوپر بھی ہوا تھا، نیچے بھی ہوا۔ بہت انسانوں نے ترقی کی اور کائناتوں کے اور جن کی ترقی کی۔ مختلف قسم کی تھیوریاں بنائیں۔ بگ بینگ تک پہنچے۔ پھر اس سے پیچھے گئے اور اس حیرت کا اظہار کیا کہ کائنات میں کسی مادی وجود کے آنے سے پہلے اگر کائنات میں کوئی چیز تھی، تو وہ بادل تھے، دھند والے بادل، جنہیں انگریزی میں Mosturized Gases کہتے ہیں۔ وہ اتنی کثیر تعداد میں جاری ہوئیں کہ جب وہ جمنی شروع ہوئیں، تو ان میں پھر مادی وجود پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ یہ جتنے بھی سیارے اور نظام شمسی ہیں اور جتنی بھی کائناتیں ٹھوس وجود رکھتی ہیں، وہ انہی کی وجہ سے ہیں۔ ایک دفعہ پھر اس حدیث پر غور کیجیے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! آسمان وزمین اور ستارے بنانے سے پہلے اللہ کہاں تھا؟ فرمایا، دھند میں تھا۔ یعنی Mosturized Gases میں تھا۔ اب رسولؐ آپ کو ملکیمیکل فارمولے تو نہیں بتا رہے۔ وہ آکسیجن کا نام تو نہیں لیں گے H=2o کا فارمولا تو نہیں بتائیں گے۔ انہوں نے اپنے انداز علم میں آپ کو کائنات کے آغاز کی بات بتا دی ہے۔ زندگی کے ہر قرینے اور ہر بات میں رسول اللہ کا یہ طرز فکر جاری رہا۔

بہت سارے لوگ دعا کی فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ہم بہت دعائیں مانگتے ہیں۔ پوری نہیں ہوتیں۔ حضورؐ نے فرمایا، دعا میں جلدی نہ کرو۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! دعا میں جلدی کیا ہوتی ہے؟ فرمایا، دعا میں جلدی یہ ہوتی ہے کہ تم یہ کہو کہ اللہ میاں میری سنتا کیوں نہیں؟ دیکھیے، ایک انداز تہذیب ہے کہ تم پروردگار کے سامنے یہ مت کہو، تم دعا کر رہے ہو کہ اللہ سنتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ دعا ہر حال میں سنی جاتی ہے۔ چاہے اس کا نتیجہ اترے نہ اترے۔ فرمایا، دعا کرتے وقت کبھی یہ نہ کہو کہ خدا! اگر تو چاہے تو یہ کر دے۔ تو چاہے تو یہ کر دے۔ خدا کو کہے تو کر دے۔ اس لیے کہ خدا کے اوپر کوئی اتھارٹی نہیں ہے۔ کام کرنے والی اتھارٹی خدا مطلق العنان ہے۔ پوری کائنات ایک انسان کی جھولی میں ڈال کر بھی خدا کی ملکیتوں کے تصرفات کم نہیں ہوتے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ غافل دل سے دعا نہ مانگو۔ جب بھی مانگو، زور سے، پورے یقین اور استحکام سے مانگو۔ خدا پر دعوے سے مانگو۔ اس لیے کہ اس کے سوا کسی نے دعا کو پورا نہیں

کرا ۔تمہارے سوا کسی نے اس سے دعا بھی نہیں مانگی ۔ جب آپ پورے یقین کے ساتھ دعا مانگیں ،تو وہ آپ کا یہ حق ضرور پورا کرے گا۔خدا سے لڑو، خدا سے جھگڑو۔اس لیے کہ اور کوئی ذات تمہارے لیےلڑنے جھگڑنے کے لیے نہیں ہے۔اہل خاندان اور بھائیوں سے مت کہو کہ تم نے میری خبر گیری نہیں کی۔ چچا سے مت کہو کہ چچا تم نے میرا کوئی بندوبست نہیں کیا۔باپ سے کہ تم نے مجھے جائیداد میں سے حصہ نہیں دیا۔ماں سے مت کہو کہ تو نے مجھے بچپن میں دودھ نہیں پلایا۔ ان سب باتوں سے بڑی ذات دینے والی، جھگڑنے والی، حاصل کرنے والی، بندگی والی، عبودیت والی صرف اللہ کی ہے۔صرف اللہ کو جان کر دعا مانگیں۔ حاضر ہو کر دعا مانگیں۔ وہی مالک، وہی کریم، وہی صاحب عطا ہے۔

رسول اللہؐ طریق تقسیم بتا رہا ہے کہ ایک عورت ہنڈیا پکا رہی تھی۔ حدیث رسولؐ ہے۔ ہنڈیا پکاتے اس کا بچہ ساتھ کہیں بیٹھا تھا۔آگ کبھی تیز ہو جاتی، کبھی آہستہ ہو جاتی۔ جب آگ کی لپک تیز ہوتی، تو وہ بچے کو اٹھا کے دور کر دیتی۔ جب لپک کم ہوتی، تو قریب کر لیتی۔اسی شعلے لپکنے سے اس کے ذہن میں اچانک خیال آیا۔وہ بچہ اٹھا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔فرمایا، یا رسول اللہؐ میں ایک ماں ہوں۔ میں نے دیکھا کہ میرے بچے کو آگ کی لپک محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ جل جائے،تو میں نے اس سے دور کر دیا اور جب بھی اسے محفوظ پایا،تو اسے قریب کر لیا۔ مگر جب بھی خدشہ محسوس ہوا کہ آگ اسے چھوئے گی، میں پہلے اس کی فکر کرتی، اسے دور کر دیتی تھی۔تو کیا اللہ میاں ایک ماں سے زیادہ مہربان نہیں ہے؟ اگر میں اپنے بچے کو آگ کو لپٹ میں نہیں لینے دیتی،تو پھر اللہ کیسے پسند کرے گا کہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈال دے؟حضور نے چہرہ مبارک چھپالیا۔ بہت روئے، بہت روئے۔ کچھ دیر کے بعد سکون ہوا، تو اس عورت نے پوچھا، یارسول اللہؐ آپ اتنے مضطرب کیوں ہوئے؟ فرمایا، ایک ماں اپنے بچے کے لیے اتنی مہربان ہے کہ وہ اسے صرف تپش پہنچنے پر اتنی مضطرب کیوں ہوئے؟ فرمایا، ایک ماں اپنے بچے کے لیے اتنی مہربان ہے کہ وہ اسے صرف تپش پہنچنے پر اتنی مضطرب ہو جاتی ہے،تو اللہ اپنی مخلوق پر کتنا مہربان ہو سکتا ہے۔افسوس کہ اس کے باوجود انسان بہتر سے زیادہ ماؤں سے مہربان اللہ کو نہ پہچانے۔اپنے مالک، کریم، رحمٰن ورحیم، خالق الباری المصور کو نہ پہچانے۔اس کا تو پھر یہی انجام ہونا چاہیے۔ پہچان کے لیے بچے کا ماں کو آنا ضروری ہے۔اصولاً ضروری ہے اور جو پہچانتا نہیں ہے،اس کا انجام

صرف جہنم ہے۔

رسول اللہ کی تمام تر زندگی اپنے لوگوں کو بشارت کی نوید دیتے ہوئے گزر گئی۔ جہاں بھی تھوڑی سی فہمائش ہوئی، آپ نے تساہل کو روکنے کے لیے فرمائی۔ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے چھڑی نہیں استعمال کرنی تھی۔ انہوں نے گالی نہیں دینی تھی۔ انہوں نے کوئی سزا کسی کو نہیں دی۔ صرف زبان استعمال کی۔ فصاحت اور بلاغت استعمال کی۔ کوشش کی کہ لوگ انداز سے لہجے سے ڈر جائیں۔ وہ کام چھوڑ دیں' جو مسلسل کر رہے ہیں۔ جب ایک گروہ وضو کرتے کرتے جلدی کر رہا تھا اور پاؤں پر پانی چھینک کے بھاگ رہا تھا، تو آپ نے ہلکے سے لہجے میں فہمائش کی کہ ایڑیوں کو دھویا کرو۔ وضو پورا کیا کرو۔ ایڑیوں میں آگ ہے۔ سمجھنے والے کو اشارہ کیا کہ تمہاری یہ چھوٹی سی سستی تمہیں آگ میں نہ ڈال دے۔ حضورؐ کا تمام طریقہ تعلیم یہ ہے کہ اگر 999 خوشخبریاں دیں، تو صرف ایک میں خبردار کیا۔ لوگوں کو دیکھ لیتے تھے کہ علم حاصل کرنے کے لیے تیار بھی ہیں کہ نہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے جب طویل نماز پڑھائی' تو ایک بوڑھے نے رسول اللہؐ سے شکایت کی کہ میں بوڑھا ہوں۔ یہ قرآتیں لمبی لمبی کر رہے ہیں۔ جیسے آج کے ماشاءاللہ مولوی جنون میں ہوتے ہیں کہ لوگ مریں جئیں، ہماری تقریر ضرور پوری ہوگی۔ حضورؐ نے معاذ کو بلا کر فرمایا، کیا تو چاہتا ہے کہ لوگ اللہ کے دین سے نکل جائیں؟ تمہیں نہیں پتہ، نماز میں پیچھے بچے اور بوڑھے ہوتے ہیں اور وہ اتنی دیر کھڑا نہیں ہو سکتے۔ ادھر یہ عالم ہے کہ رات بھر کے مسجدوں میں شبینے چل رہے ہیں۔ بھلا قرآن ایک رات میں ختم کرنا کیا کمال کی بات ہے؟ کیا یہ کمال کی بات نہیں ہے کہ جاپانی 235 میل کی رفتار سے ٹرین چلاتے ہیں۔ اس سے کچھ مخلوق کو فائدہ ہوتا ہوگا۔ مگر جسے قرآن کی سماعت کی خبر نہ ہو، انہیں اس طرح قرآن سنا دینا کیا کوئی اچھی بات ہے؟ کیا یہ توہین قرآن نہیں ہے کہ جس قرآن کے بارے میں اللہ کتاب میں یہ کہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو باادب ہو جاؤ۔ خاموش اور توجہ سے سنو۔ اس قرآن کو آپ خراٹے لیتے ہوئے پڑھ ڈالتے ہیں۔ کم سے کم قرآن پڑھنا تین دنوں میں ہے۔ ایسے نہ کرو کہ قرآن رد ہو جائے۔ نافہم اور کم فہموں کی طرح اسے نہ پڑھو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ آپ طریقہ رسول سے ہٹو۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے طریقہ فہم اور انداز فکر کی خبر لی جائے۔ جہاد کی بڑی لوگ تعریف کرتے ہیں' کیوں کرتے ہیں؟ اگر ان کے پاس رسول اللہ کی ایک ہی خبر موجود ہوتی ،تو کوئی شک وشبہ نہ ہوتا ۔کوئی کہہ رہا ہے، جہاد یہ ہے۔کوئی کہہ رہا ہے، جہاد وہ ہے۔ حضورؐ نے تین باتیں مختصراً فرمائیں۔فرمایا کہ جہاد میری امت میں جب سے شروع ہوا،اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک میری امت کا آخری فرد یا آخری گروہ دجال کو شکست نہ دے دے۔جب تک میری امت کے افراد ظلم کرنے والے کے ظلم کو باطل نہ کردیں اور جب تک میری امت کے افراد انصاف نہ کرنے والوں کو انصاف پر آمادہ نہ کرلیں۔ یہ ہیں جہاد کے بنیادی تین مقاصد۔ یہ جہاد امت مسلمہ میں اول وآخر ضرور جاری رہے گا۔

مجھے حیرت ہے اس عالم پر جو اللہ کے رسولؐ کی باتیں پڑھتا ہے اور پھر لوگوں پر فہمائش، تہدید اور کوڑے کے سوا کوئی ہاتھ میں چیز نہیں رکھتا۔علم کی شناخت کا ایک اصول ہے کہ عالم وہ ہے، جو لوگوں کو ان کی حیثیت علمی سے خطاب کرے۔ جو اپنے طرز عمل کو لوگوں کے طرز عمل سے متاثر نہ کرے۔ بلکہ اپنے علم سے ان کی استعداد دیکھ کر ان کو فہمائش کرے یا نصیحت کرے۔اگر ایک جاہل آدمی کے پاس لہجہ یا انداز گفتگو نہیں ہے،تو کیا آپ اس سے توقع کریں گے کہ آپ کو لکھنوی انداز میں آداب وسلام کہے۔ یہ بات آپ کے رسولؐ میں تھی کہ ہر آدمی کو اس کے علمی و فکری حیثیت کے مطابق اسے ٹریٹ کرتے۔کوئی بندش کی نہیں ۔حتیٰ کہ جانور تک شاکی نہیں ۔ جب سے میں نے رسول اللہؐ کے طرز عمل کے حوالے سے حدیث دیکھی ہے آپ یقین جانئے، کوئی انسان ان سانظر میں نہیں جچ سکا۔

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اتنی خوبصورت اور اتنی مہربان ہستی ہے کہ آدمی ان کی شفقت اور محبت کا عالم دیکھ کر سکتے میں آجاتا ہے۔ایک شخص نے ہرنی کے کچھ بچے اٹھا لیے اور ان کو چھپا لیا۔ ماں ان بچوں کو ڈھونڈتی ہوئی آئی،تو ماں کو بھی پکڑ لیا۔ وہ رسول اللہؐ کے پاس لے آیا اور بڑے تفاخر سے کہا، یا رسول اللہؐ! اس طرح ہوا تھا کہ میں نے بچے کو پکڑ لیا۔ وہ آہ وزاری کررہے تھے۔پھر ان کی ماں آگئی،تو میں نے ماں کو بھی پکڑ لیا۔انہیں پکڑ کر یہاں لے آیا ہوں۔حضورؐ نے فرمایا، تم نے کتنے

اچھے جذبے کی توہین کی ہے۔ تجھے خیال نہیں آیا کہ ماں کس طرح محسوس کرتی ہے؟ تم نے کتنے خوبصورت جذبے کو دکھ پہنچایا ہے۔ جا اسے وہیں چھوڑ کے آ اور اسی جگہ رکھ کے آ، جہاں سے تو نے انہیں لیا تھا۔ حضورؐ کی پیغمبری سب کے لیے تھی۔ رحمت عالم کے توسط سے جن وانس اور جانوروں کے لیے تھی۔ یورپ اب آپ کو جانوروں کے ساتھ حسن سلوک سکھا رہا ہے۔ اتفاق دیکھئے کہ امریکہ وغیرہ میں یہ جو سمور اور لومڑی کی کھال ہے یا ہرن کی کھال، یہ پہننی اس لیے منع ہے کہ تم نے جانوروں پر بڑا ظلم کیا ہوا ہے۔ ان کو شکار کیا ہوا ہے۔

شیخ سعدی ایک شہر سے گزرے۔ لوگ بڑے بدتمیز اور بدتہذیب تھے۔ اینٹ پتھر روڑے مارتے۔ انہوں نے مسافروں پر کتوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ شیخ سعدی بھاگتے ہوئے جس پتھر کو ہاتھ لگاتے، وہ زمین سے بندھا ملتا۔ تنگ آ کر کہنے لگے، کمال رسم بے محل اس شہر کی ہے کہ سنگ ہارا بستند وسگاں را آزاد کردند۔ یہ معاشرہ اس منزل تک ضرور آ رہا ہے کہ جہاں کتے آزاد ہوں گے اور پتھر زنجیروں سے بندھے ہوں گے۔

حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا، حذیفہ کو کہا کہ میری امت میں بڑے بڑے فتنے آئیں گے۔ یہ سرا اور وہیمہ کے فتنے ہیں۔ شب قدر، رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح فتنے آئیں گے۔ پہلا فتنہ یہ ہے کہ لوگ لوگوں سے ڈریں گے۔ لوگ لوگوں کا مال کھائیں گے۔ دوسرا فتنہ عیش و عشرت کا سرا کا فتنہ ہے۔ اس میں دولت کی کثرت ہوگی۔ پھر تیسرا فتنہ جو آج کل جا رہا ہے، ہیمہ کا فتنہ ہے۔ وہیمہ کے فتنے میں اتنی تاریکی، اتنا رنج وغم اور اتنا کرب وبلا ہوگا کہ لوگوں کو کہیں امن و سکون نہیں ملے گا۔ کیا عجیب حدیث ہے۔ لوگ اسے کسی اور طرح معنی دیں گے، مگر میں اس کو کچھ اور معنی دیتا ہوں۔ فرمایا کہ عرب سے زمانہ آخر میں دجال کے وقت کے قریب ایک بڑی آگ ایسی لپکے گی' جو لوگوں کو مشرق سے مغرب میں لے جائے گی۔ میں اسے شہوات طلب و آرزو اور لالچ کی آگ کہتا ہوں۔ یہ ساری آگ آج اسی طرح جل رہی ہے کہ کسی سے بھی پوچھ لیں، وہ مشرق سے مغرب میں ہی جانے کی بات کرتا ہے۔ اسے اپنے مقام میں سکون محسوس نہیں ہوتا۔

استاد، طریقہ تعلیم، ظرف

خداوند کریم نے کہا ویحذرکم اللہ نفسہ (پ ۳ س آل عمران آیت ۸۲) اللہ

تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔مگر اس کے لیے تھوڑا سا پیچھے جانا پڑے گا۔احمد بن حنبل کے زمانے میں ان کا اعتراض یہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ یہ مسئلہ بہت پہلے حل ہو گیا تھا۔اس لیے آپ کو سنا رہا ہوں۔اللہ کہتا ہے اللہ خالق کل شی وھو علی کل شی وکیل (پ۲۴س الزمر، آیت ۶۲) تو قرآن کو بھی بدا شئی عجیب کہا۔اس لیے قرآن شے ہے اور اللہ خالق ہے۔تو قرآن خالق کا کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ مخلوق ہے۔ یہ فتنہ ایک سو سال تک عالم مسلمانان میں برا اثر پذیر رہا۔

کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ ہم کھجور کو پیوند لگاتے ہیں۔ فرمایا، میں پیوند پسند نہیں کرتا۔وہ لوگ گئے، خسارہ ہوا۔واپس لوٹے اور بڑے گلہ گزار ہوئے کہ آپؐ کے کہنے پر ہم نے پیوند نہیں لگایا، ہماری فصل خراب ہو گئی۔تو کہا، پھر ایسے کیا کرو، جیسے تمہارا تجربہ ہے۔ یہ اتنی خوبصورت مثال ہے۔حضور اکرمؐ نے بظاہر لگتا ہے، ایک خطا کی اور جمعٹ کی غلطی کا ارتکاب کیا۔مگر ایسے نہیں ہے بلکہ انہوں نے بظاہر اپنی غلطی سے اپنی امت کو ایک زبردست سبق دیا کہ وہ انسانی تجربہ، جو صدیوں تک تمہیں حاصل ہے۔جس پر تم ہزار مرتبہ علم و حکمت سے تجربہ کر چکے ہو، اگر اس کے خلاف دعا چاہو گے، تو تم غلطی کرو گے۔وہ اس قسم کے پیغمبر ہیں۔ان کا تمام تر وجود علمی تھا۔علم ان کی ہر رگ مو سے پھوٹتا تھا۔پیغمبر کی نفسیات پر آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔نہ ان کے اقدامات مقاصد پر کوئی کتاب لکھی گئی۔تہذیب ایسے سکھا ان کے پیچھے ختم۔وہ اتنے بڑے استاد تھے۔

حافظ ابن قیم کا واقعہ سناتا ہوں کہ ان کے استاد و مرشد آئے۔انہوں نے نئے کپڑے پہنے۔غسل کیا۔سرمہ لگایا۔اپنے سر پر عمامہ باندھا۔آئینے میں دیکھا۔دو قدم چلے۔شُبے میں پڑے۔پتہ نہیں کہ حقیقت متوازن ہے یا نہیں؟ دوبارہ پلٹے۔آئینے میں دیکھا۔دروازے تک گئے۔جب دروازے تک گئے، تو ابن قیم کہتے ہیں، میرے دل نے مجھ سے ایک سوال کیا کہ ابن قیم! آج اگر رسول اللہؐ زندہ ہوتے، تو کیا تم اسی اہتمام سے ان کے حضور میں جاتے؟ میرے دل نے قسم کھا کر کہا کہ قطعاً نہیں۔میں جس حال میں ہوتا، چلا جاتا۔

سو جتنا کم تر درجے کا استاد ہے اس کے رکھ رکھاؤ میں اضافہ ہوگا۔مگر جتنا بڑا استاد ہوگا، اس کے ظرف میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے۔وہ کافر ہو، بدکار ہو۔برا ہو۔اس تک پہنچنے میں

اس کا احساس یہ کہتا ہے۔ اسی طرح حضور اکرمؐ کو خوش گمانی اتنی پسند تھی کہ جب ایک بدو نے رسول اکرمؐ سے سوال کیا کہ اے پروردگار کے رسول! قیامت میں حساب کون لے گا؟ فرمایا، اللہ خود۔ وہ ہنسا اور چل دیا۔ حضورؐ نے اس کے پیچھے آدمی بھیجے کہ بھلا کیا عجیب بات ہوئی۔ یہ ہنسا کیوں؟ کون سی بات ہے کہ جس پر وہ ہنسا؟ اسے بلایا گیا۔ حضورؐ نے پوچھا، ایسا کیوں؟ فرمایا رسول اللہؐ ہم نے زندگی میں دیکھا ہے کہ جب کوئی اعلیٰ ظرف حساب لیتا ہے، تو نرمی سے لیتا ہے اور خدا سے بڑا اعلیٰ ظرف کون ہوگا؟ رسولؐ نے فرمایا، دیکھو! اس بدو کا گمان اللہ پر کتنا اچھا ہے اور ہدایت فرمائی کہ خدا پر ہمیشہ خوش گمان رہو۔ کم از کم زندگی کے آخری حصے میں ضرور رہو۔ جو کام اللہ نے کیا، ہم بھی اپنے رسول کے لیے کریں۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم.

حضورؐ کی تعریف اور پیغام

جتنے لوگوں نے بھی رسول اکرمؐ کی تعریف فرمائی اور سب سے بہتر تعریف تو اس عورت نے کی، جس کے پاس حضور اکرمؐ نے مدینے میں دودھ پیا، مدینے کے رستے میں۔ اس سے بہتر تو کسی نے تعریف نہیں کی۔ ایک مقامِ رسالت اور ایک مقامِ ذاتِ رسولؐ ہے۔ یہ جتنے لوگوں نے ہی تعریف فرمائی ہے، اگر ان کو دوبارہ گنیں، تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ان اصحابِ خیر نے حضورؐ کے پیغام پر بھی مکمل آگہی پائی تھی۔ ان لوگوں نے خدا کے لیے اور رسولؐ کی سنت کی متابعت کرتے ہوئے اپنی پوری زندگی تج دی تھی۔ ان کا تو یہ واقعی حق بنتا ہے کہ یہ رسولؐ کی ظاہری تعریف بھی کریں اور ان کے باطنی مراتب کی بھی تعریف کریں۔

میرا گلہ ان لوگوں سے تھا، جو تمام تر تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ جن کو کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا اور وہ صرف ایک ہی کام جانتے ہیں۔ ٹھیک ہے، خالی نعت پڑھنے کا بھی بہت ثواب ہوگا، مگر ایک بڑے استاد کے لیے کتنی کوفت کی بات ہے کہ اس کے پیغام کا تو کوئی احترام نہ کیا جائے اور اس کی تعریف پر زندگی گزار دی جائے۔ آج ہمیں یہ اخلاص بھی چاہیے کہ جہاں تعریف آپ کر رہے ہیں، دراصل اس سے بڑا کام یہ ہے کہ جو اللہ کے رسولؐ لائے اور جو انہوں نے ہمارے لیے پیغام چھوڑا، اس پر بھی عمل کیا جائے اور سب سے بڑا پیغام، جس کی وجہ سے آج کی نشست ہے، یہ ہے کہ انہوں نے ہی ہمیں یہ بتایا کہ اللہ ترجیح اول ہے۔

یومِ مسرت وانبساط

کوئی شخص کیا اس ہستی کی بات کرے، جس نے آپ کو کائنات کا اول بھی بتایا اور انجام زندگی بھی بتا دیا۔ فتنوں کی بات بھی بتائی اور سکون وعافیت کے نسخے بھی آپ کو عطا کیے۔ اس امام کو آپ کہاں بھلا پائیں گے؟ ان کے مقابلے میں آپ جن کو امام عقل سمجھتے ہیں، وہ صرف ووکیشنل آرٹس کے استاد ہیں۔ وہ آپ کے کردار کی تعمیر کر سکتے ہیں، نہ آپ کے اخلاق کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ وہ آپ کے لیے مشعل راہ ہیں، نہ آپ کے حزن وملال کی کیفیتوں پر کام کر سکتے ہیں۔ آپ اپنی اساس اہلبیت کو ترک کیے جا رہے ہیں اور اپنی معرفت خیال میں اس مینارۂ نور کو بھولے جا رہے ہیں۔ جب یہ عید میلاد ہو، تو وہ کہتے ہیں، میلاد کیوں کر رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان ایسے اکیڈیمک ہیں، جو میلاد کو برا سمجھتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی میلاد ہوا کرتی تھی۔ حضورؐ کو کہا گیا کہ نویں محرم کو یہود عید مناتے ہیں اور نویں محرم ایک اہم دن تھا۔ تو میلاد کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی محترم دن کو آپ منا سکتے ہیں کہ نہیں منا سکتے؟ اگر کوئی دن اہم ہے اور اس میں کوئی خاص بات ہوئی ہے تو کیا آپ اس دن کو منا سکتے ہیں کہ نہیں؟

جواب یہ ہے کہ آپ حج مناتے ہیں۔ ساری نسبتیں حاجی ابراہیم کے ساتھ ہیں۔ ایک ایک نسبت اس واقعہ کی جو ابراہیم اور اسماعیل کے ساتھ گزرا۔ کتنی اللہ کے ساتھ اس کی اہمیت تھی کہ آج تک ہم سے اس واقعہ کو منواتا چلا آتا ہے۔ مقررہ اوقات، مقررہ دن اور مقررہ مراحل ہیں۔ حتیٰ کہ جب مسلمانوں نے کہا کہ چلیں ہم ابراہیم کے عمل تو منا لیتے ہیں۔ ابراہیم اللہ کا دوست ہوا۔ ہاجرہ سے ان کا کیا واسطہ تھا؟ ان کا کیوں منائیں؟ تو اللہ کو اتنا غصہ آیا کہ قرآن میں کہا ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ (پ۲، س البقرہ، آیت ۱۵۸) کہ صفا اور مروہ بھی اللہ کے قانون میں اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ یہ نہیں کہ اگر ان میں ابراہیم نہیں تھے تو تم اس واقعہ کی رسم کو نہ مناؤ۔ میرے دوست کی بیوی اور اس کے بیٹے کی رسم بھی مناؤ۔

اہل یہود نویں محرم کو عید مناتے تھے۔ جب آپ نے حلال وحرام دیکھنا ہو، تو آپ فیصلہ یہ کرتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث میں حرام آیا کہ حلال آیا؟ جب انڈے پر کوئی فتویٰ نہیں تھا کہ آیا وہ حلال ہے کہ حرام ہے تو ایک بار اللہ کے رسولؐ نے یہ فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی نماز میں

ایسے پہنچا کہ عین خطبہ ختم ہو چکا تھا، نماز شروع ہو چکی تھی، تو اس کا ثواب انڈے کی طرح ہے۔ ظاہر ہے، حرام چیز کا ثواب تو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پتہ لگا، انڈا حلال ہے اور تو کوئی واقعہ اس میں ہے ہی نہیں۔ جب نویں محرم کے دن کو منایا گیا، تو آیا حضورؐ نے اسے ناپسند فرمایا کہ نویں محرم کو منانا غلط ہے؟ الٹا، آپ نے فرمایا کہ دیکھو، وہ نویں محرم کو مناتے ہیں۔ ہمارا قوم موسیٰ اور موسیٰ پر زیادہ حق ہے۔ ہم دسویں بھی منائیں گے۔ اگر وہ نویں کو روزہ رکھتے ہیں، تو ہم دسویں کو روزہ رکھیں گے۔ ایک کی بجائے دو روزے رکھیں گے۔ دن منانے سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر دن منانے کا انداز تو ہونا چاہیے۔ ناچ، رنگ، ڈسکو، فضول خرچی یہ طریقہ عید میلاد کو منانے کا ہے؟ احسن کو احسن طریق سے نبھانا چاہیے۔ خوبصورت انسان کی خوبصورت طریقے سے سواگت کی جانی چاہیے۔ یہ مقام شکر اور روز شکر ہے۔

اللہ کے رسول کی پیدائش سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے متبعین ایسٹر مناتے تھے۔ وہ تین رہنماؤں کے دن بھی مناتے تھے۔ یوم میلاد عیسیٰ بھی مناتے تھے۔ حضورؐ نے اس قسم کی باتوں کا برا نہیں منایا۔ اس طرز کا ضرور برا منایا، جو ان مقدس دنوں میں لوگ اختیار کرتے ہیں۔ یہ خیرات کا دن ہے۔ یہ پیغمبر سخی ہے۔ اللہ کے رسول سخاوت اور علم کی معراج ہیں۔ شناخت کا دروازہ ہیں۔ ہم ان کو خراج عقیدت ایسے پیش کرتے ہیں، جیسے کسی انٹلکچوئل، ایک عالم زمانہ کو کرتے ہیں۔ رہبر مکمل اور جیسے رہنمائے دین کو کرتے ہیں۔ اس طریقے سے خیرات وصدقات کریں اور اپنے آپ کو اس شخص عظیم کی مروت اور ان کی محبت کے قابل کریں۔ ہمارے رسول کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ انہیں اپنی امت کی یاد کبھی نہیں بھولی۔ اگر آپ نے سب سے بڑی سنت رسول پر عمل کرنا ہے، تو آپ بھی اپنے رسول کی امت کے دوسرے بھائیوں کو مت بھولیں اور کوشش کریں کہ ان کے لیے میلاد کا دن خوشی، فرحت اور انبساط کا دن ہو۔

حضورؐ کا دیدار

کسی آدمی کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے رسولؐ کو خواب میں دیکھا، اس کی پرکھ بہت سارے اصولوں کے تحت ہوتی ہے۔ جب تک کہ معاملات نارمل نہ ہوں اور پہلے سے تقربات موجود ہوں۔ مثال کے طور پر ایک شخص ایک لاکھ مرتبہ درود تاج پڑھ رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے

کہ مجھے رسول اللہؐ خواب میں نظر آئیں۔ پھر وہ ایک دن آ کے کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا۔

ایک آدمی بڑا گنہگار ہے اور وہ اپنے عصیاں کے بحران میں کسی مقدس ہستی کے حضور اپنی یہ تقصیر چھپانا چاہتا ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ میں بڑے مکروہ عزائم اور بڑے غلط افعال کا مالک ہوں۔ مگر لوگوں کو تاثر یہ دینا چاہتا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا، تاکہ لوگوں کی اندھی عقیدتیں اس کے جرائم کا پردہ بنیں۔

تیسری صورتحال نفسیاتی ہے۔ اس کے لیے نفسیاتی طور پر ایک بندہ جج اور چیک ہونا ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں عصیانی رسپانس میں کوئی نہ کوئی بزرگ صورت ضرور آتی ہے۔ کسی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نظر آتے ہیں۔ کوئی آگے بڑھ کر رسول اللہؐ کو دیکھنے کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ کوئی اکثر ولی اللہ دیکھتے ہیں اور یہ خواب تو بہت ہی عام ہیں کہ مصیبت آئی نہیں اور مزار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ کسی مزار سے کوئی تسبیح دے رہا ہے۔ کسی مزار سے کوئی تعویذ۔ تو ہمارا مجرمانہ ذہن کسی مذہبی شخصیت کو مزار کا ذریعہ بناتا ہے۔ یہ ایک سماجی کمزوری اور بیماری ہے، جس کو ہم معاذ اللہ، استغفر اللہ دیدارِ رسولؐ نہیں کہہ سکتے۔

دوسری بات کہ کیا خیال ہے، اگر دعویٰ کی پرکھ ہو اور دعویٰ کی پرکھ کے اصول لاگو کیے جائیں، تو کیا آپ سب لوگ ہر اس آدمی کا دعویٰ قبول کر لیں گے، جو آپ کے پاس یہ دعویٰ لے کر آئے کہ مجھے رسول اللہؐ ملے اور مجھے حکم دیا کہ فلاں شخص سے ایک لاکھ روپیہ لے لو۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی بندہ بھی اس خواب کو سچا سمجھے گا۔ اگر آپ کے مفاد پر ضرب پڑ رہی ہو، تو آپ اس خواب کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ دستور یہ ہے کہ ہم انسانی صحت، ذہنی اور اخلاقی صحت کو دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے کذاب تو نہیں رہا۔ ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس شخص کے عمومی کریکٹر میں جھوٹ تو نہیں شامل۔ وہ لوگوں کو دھوکہ تو نہیں دیتا رہا یا ان سے جھوٹ بولتا رہا ہے۔ جو اصول روایت حدیث کے لیے ہیں، وہی اصول خواب پر استعمال ہوتے ہیں۔ جب وہ روایت اور درایت سے نکلے گا، تو پھر اس خواب کو تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی عذر نہیں ہوگا۔

رسول اللہؐ کو دیکھنا حدیث ہے اور حدیث کی پرکھ کے لیے وہی قانون لاگو ہوں گے، جو پرانے محدثین نے کسی حدیث کی پرکھ کے لیے لگائے ہیں۔ اس لیے یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ اس

قسم کے دعوے مان لیے جائیں یا کر لیے جائیں۔ مرزا غلام احمد اور غلام احمد پرویز کے وہی دعوے ہیں۔ ان سب کو دیکھ لیجیے۔ اگر ہم ان دعووں کو ماننا شروع کر دیں، تو کس کس کو آپ مہدی مانیں گے؟ ایک صدی میں مجھے ڈیڑھ کروڑ مہدی نظر آ رہا ہے۔ اس لیے یہ بڑا مشکل امر ہے۔ یہ بڑے احتیاط سے پرکھنا پڑتا ہے۔ اس خواب کی معقولیت کیا ہے؟ استحقاق کیا ہے؟ سچائی کتنی ہے؟ بندے کے کردار کو دیکھنا پڑتا ہے۔ پھر البتہ تسلیم کا عذر کیا جا سکتا ہے۔

میلاد النبیؐ کی مخالفت

میں نے قرآن وحدیث میں کسی مقررہ دن جمع ہونے کی کوئی مخالفت نہیں دیکھی۔ آج کل کے زمانے میں کوئی کہے کہ میں میلاد منانا چاہتا ہوں اور وہ میلاد منائے اور لوگ بکھرے ہوئے ہوں۔ سوشل سیٹ اپ بڑا عجیب وغریب ہو چکا ہے۔ لوگ کام کرتے ہیں۔ کوئی چھٹیاں نہیں ہیں۔ آپ میلاد کو چھوڑیں، سالگرہ ہی مناتے ہیں، تو سب سے بڑا گلہ جو سالگرہ میں شریک نہ ہونے والوں کا ہوتا ہے کہ بروقت اطلاع نہ ملی، پتہ نہیں تھا۔ کسی دن کو کسی فنکشن کے لیے مخصوص کر لینا یا کر دینا اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔ اگر مخصوص نہ کیا جائے، تو آپ کبھی پاکستان ڈے نہ منا سکیں۔ حج کا دن نہیں منا سکتے۔ یہ دنوں کا مخصوص کرنا کسی طور پر بھی بدعت ہے نہ موجب عذاب ہے۔ طریق کار میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ مسلمان ہیں اور اپنی سب سے مقدس، متبرک، مہربان اور شفیق ہستی کی یاد منانا چاہتے ہیں، تو انداز بھی تو کچھ بہتر ہونے چاہئیں۔ کچھ بااخلاق طریقے ہونے چاہئیں۔ رسول اللہؐ کو حسن اخلاق سب سے زیادہ پسند تھا اور اللہ کو سب سے زیادہ کھانا کھلانا پسند ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ جنت میں ایک شخص کا درجہ بلند کر دیا گیا۔ صبح حضرت سراسیمہ اٹھے کہا، میرے مولا! میں نے کون سا ایسا کام کیا کہ تو نے جنت میں میرا درجہ بلند کر دیا۔ فرمایا، تو نے پیچھے ایک نیک بیٹا چھوڑا تھا۔ وہ تیرے لیے استغفار کرتا تھا۔ ہم نے اس استغفار کی وجہ سے تیرا درجہ بلند کر دیا۔ رسول اللہؐ نے تو ایک ارب بیٹے پیچھے چھوڑے ہیں۔ کیا آپ ان کے بیٹے نہیں لگتے؟

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین چیزیں موت کے بعد کام آئیں گی۔ ایک صدقہ جاریہ وہ چیز جسے آپ نے خلق کے لیے چھوڑ دیا اور اس کے استعمال میں آپ کے لیے ثواب ہے۔ دوسرا

علم، کسی عالم نے ترتیب علم دی اور جو ہدایت اس نے بخشی، اس سے مخلوقات کو نفع اور فائدہ ہے اور بہترین نیک اولاد۔ کیا غضب ہے کہ آپ رسول اللہ کی اچھی اولاد بننے کی کوشش ہی نہیں کر رہے ہیں؟ اگر رسول اللہ کی بیویاں امہات المومنین ہیں، تو رسولؐ کیا ٹھہریں گے؟ آپ کو تو اس بات پر ہونا چاہیے کہ آپ کا رسول، رسول ہونے کے علاوہ آپ کا باپ بھی ہے۔ ایسا باپ، جو ہر قسم کی خوبی کا حامل ہے۔ کہاں رسل، کانسٹائن، نپولین، سیزرز اور کہاں یہ ہنی بال! کیا بڑے بڑے لوگ دنیا میں آئے اور گزر گئے۔ ان میں سے کس کا کردار مثالی بن کے رہ گیا؟ کس کی خوبصورت ذات ابھی تک ہمارے دلوں میں چٹکیاں لیتی ہے؟ ہمیں ناخلف بیٹا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ باپ کا دن نہ منائیں، تو کس کا دن منائیں گے؟

مگر طریق کار میں اختلاف ہوتا ہے۔ یہ خیرات اور صدقات کا دن ہے۔ محبت اور انس کا دن ہے۔ یتیم کی نگہداشت اور جانوروں کی پرداخت کا دن ہے۔ یہ تمام دن نیکیوں کا، محبت تمام کا دن ہے۔ عہد استوار کرنے، سنت رسولؐ اور اخلاق رسولؐ کی متابعت کا دن ہے۔ آپ اس دن کو منا کر کتنے خوش نصیب ہو سکتے ہیں! یہ تو وہ جانے، جس کو ان سے سب سے زیادہ محبت ہے۔ آپ نے کیا محمد رسول اللہ کا مقام پہچانا ہے؟ کیا آپ کے پاس ان کی کوئی شناخت ہے؟ کیا بات کہی تھی غالبؔ نے۔

غالبؔ ثنا خواجہ بہ یزداں گذاشتم

میرے خیال میں غالبؔ کو تو یہی شعر جنت میں لے جائے گا کہ

غالبؔ ثنا خواجہ بہ یزداں گذاشتم

کہ اے غالبؔ میں نے اپنے خواجہ اپنے آقا محمد رسول اللہ کی تعریف اللہ پر چھوڑ دی۔

کہ آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

کہ وہی ذات پاک محمد رسول اللہ کا مرتبہ جانتی ہے۔

آپ کس کا دن منائیں گے؟ اپنے بیٹے کی سالگرہ منائیں گے؟ اپنے باپوں اور فقیروں کے عرس منائیں گے؟ اور نہ مناؤ گے، تو کیا آقا اور رسولؐ کا دن نہ منائیں گے؟ یہ تو یوم تشکر ہے۔ مگر انداز وہ ہوں، جو آقا کو پسندیدہ ہوں۔ طریق یا وہ ہو، جو رسول اللہ کو پسند آئے۔ اللہ کو سارے انسانوں کی تعریف تو پسند نہیں آئی۔ اس نے وضاحت سے کہا، میں صرف محمد کو محمد

سمجھتا ہوں۔ اگر کسی شخص نے میرے شان شایاں تعریف کی ہے تو یہ محمدؐ ہیں۔ اس لیے زمین پر آپ کا اسم گرامی محمدؐ ہے تو آسمانوں پر احمد ہے۔ ہم نے پسند کیا کہ ساری کائنات میری تعریف کرنے والے کی تعریف کرے۔ سو زمین پر اسم گرامی محمدؐ ہوا۔ آپ تو صرف اپنا حصہ ہی ڈال سکتے ہیں۔ درود سے، سلام سے، خیرات اور صدقات سے، علم، محبت اور غریب کی پرورش ہے۔ یتیم کی نگہداشت سے۔ اس سے زیادہ بڑھ کر آپ میلاد کو کیا کر سکتے ہیں۔ ناچ، رنگ، گانا......؟

میں نے میلاد کو حج کے ساتھ بالکل نہیں ملایا۔ بلکہ میں نے یہ کہا کہ کسی دن کو مقرر کر لینا کوئی خلاف فطرت اور شرع نہیں ہے۔ حج کو چھوڑ دیجیے۔ حج کے پیچھے آپ یہ دیکھیے، کچھ روز مقرر ہیں۔ کسی رسم و عبادت کے لیے۔ جیسے میں نے آپ کو مثال دی کہ نویں محرم کو اگر قوم موسیٰ نیل سے گزرنے کا دن مناتی تھی، تو رسول اللہؐ نے اسے ناپسند نہیں فرمایا۔ اس زمانے میں عیسائی موجود تھے اور قوم عیسیٰ باقاعدہ اپنے نبی کا یوم ولادت بھی مناتی تھی۔ حضورؐ کے پاس سے ہمیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی، جس سے حضورؐ نے فرمایا ہو کہ یہ طریقہ ناپسندیدہ یا غلط ہے۔

اب رہا آپ کے پہلے سوال کا جواب کہ اصحاب رسولؐ نے اپنی زندگی مبارک میں یہ دن نہیں منایا۔ اس کی بنیادی وجہ بالکل سمجھ میں آتی ہے کہ جتنا عرصہ بھی اصحاب رسولؐ زندہ رہے اور جتنا عرصہ بھی اس سوسائٹی میں رہے ان کے لیے امت مسلمہ کے بڑے بڑے کام پیش نظر تھے کہ ان کا کوئی سسٹم ابھی واضح طور پر تخلیق نہیں ہوا تھا۔ جیسے حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس پہلی مرتبہ ایران سے جو لوگ آئے، انہوں نے کہا کہ آپ صدقات اور زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لگائیں، تو انہوں نے کہا، کیسے لگاؤں؟ انہوں نے کہا، ایران میں ہم گھوڑے داغتے ہیں اور راہداری لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ٹھیک ہے، ہم بھی ایسا کریں گے۔ انہوں نے سرکاری گھوڑوں کو داغنا شروع کر دیا اور راہداری لینی شروع کی۔

آپ کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ ابتدائے اسلام سے تمام سسٹم ترتیب پا رہے تھے اور میلاد سسٹم میں نہیں۔ میلاد انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ میلاد کا ہمیں یہ قطعاً پتہ نہیں ہے کہ رسول اللہؐ کے اصحاب یوم ولادت مصطفیٰؐ پر کیا طرز عمل رکھتے تھے۔ مگر ہمیں ایک بات کا یقینی علم ہے کہ رسول اللہؐ کے اصحاب ہر روز کو یوم میلاد سمجھتے تھے۔ ہر روز وہ سنت رسولؐ کی مطابقت کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ہمہ تن رسول اللہؐ کے پیغام اور ان کے طریقۂ کار کو مخلوق میں پھیلانے کے

لیے جدوجہد کرتے تھے۔ چونکہ یہ ایک انفرادی عمل تھا، تمام اصحاب رسولؐ اس وقت یہ کوشش کر رہے تھے کہ بحیثیت ایک حکومتی اور عملی نظام کے اسلام کی عملی صورت ہو جائے۔ اس میں ایک انفرادی اور ذاتی چیز اتنی نمایاں نہیں ہو سکتی۔

باقی مسلمان یوم ولادت مصطفیٰؐ کو اور اصحاب رسولؐ اسے کیا سمجھتے تھے؟ اگر آپ احادیث غور سے پڑھیں، تو آپ کو احساس ہوگا کہ رسول اللہؐ کے ہر دن کی روداد، ہر لمحے کی بات اور ایک ایک انداز کسی صحابی کو عمر بھر نہیں بھولا۔ اب وہاں اتنی بڑی یاد کے عالم میں آپ میلاد نہیں ڈھونڈ سکتے۔ یہ تو آپ کی بات ہے کہ جب آپ اللہ کی یاد سے بھی غفلت کریں اور رسول اللہؐ کے عادات و خصائل سے بھی ہماری غفلت ہو، تو آج ہمیں زبردستی یاد کرانا پڑتا ہے۔ میں ایک بار لاہور میں تھا۔ میلاد کا جلوس گزر رہا تھا اور اس دن کے بعد میں نے میلاد کا جلوس کبھی نہیں دیکھا۔ قوم واہیات کو میں نے دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو دھکے مار رہے تھے۔ زن و مرد آپس میں بے اعتدالیاں کر رہے تھے۔ فلمی میوزک ان کی گاڑیوں پر چل رہے تھے۔ مجھے ذہنی طور پر اتنی کوفت ہوئی کہ میں نے اس دن کے بعد کوئی میلاد کا جلوس نہیں دیکھا۔ سارے مسئلے کو چھوڑ دیجیے، دل پر صرف ایک بات کو رکھیے کہ اگر آپ کو یہ پتہ ہو کہ آج رسول اللہ کی پیدائش کا دن ہے، تو آپ کیسا محسوس کریں گے؟ بس اتنا ہی!

آپ کو صرف اتنا پتہ ہو کہ آج رسول اللہؐ کی پیدائش کا دن ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہوں کہ آج ہے، تو منانا کس کو کہتے ہیں؟ کچھ نہ کچھ تو آپ کا احساس زیاں جاگے گا؟ کچھ تو آپ کو خیال آئے گا، کہ آج تھوڑا سا زیادہ پرہیزگار ہو جاؤں۔ تھوڑے سے عمل نیک اور کر لوں۔ کیا رمضان کوئی نرالا مہینہ ہے؟ ادھر رمضان آیا، ادھر شرارتوں کی لٹیا ڈوب گئی۔ ادھر آپ نیکوکاروں میں سے ہو گئے۔ ادھر بازار بند ہو گئے۔ مسافروں کے کھانے بند ہو گئے۔ کیا نالائقی ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ تو اجازت دیتا ہے کہ مسافر روزہ نہ رکھے۔ مسافر بے چارے کو پانی کہاں سے ملے گا کہ مقدس مسلمانوں نے بازار اور ریڑھے بند کر رکھے ہیں۔ وہ تو لٹھ لے کر ''مکر'' پڑے ہوں۔ کیا تفہیم ہے دین کی اور دین کے اعمال کی، جو ہمارے ذہن میں آتی ہے؟

اگر ہم نے اچھے دنوں کو یاد نہ رکھا، تو برے دنوں کو ضرور یاد رکھیں گے۔ ہمیں ہر ایک دن یاد ہے۔ ہر دنیا والے کا دن مناتے ہوئے ہمیں ایک ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوتا۔ آج

قائداعظم ڈے منا رہے ہیں۔ کل اقبال ڈے منا رہے ہیں۔ اس میں کوئی اخلاقی حرج نہیں، کوئی بدعت نہیں ہے کہ اقبال کا دن منائیں۔ چھٹی لے کے ہم سب خوش ہوتے ہیں۔ کوئی فائدہ ہو نہ ہو، اقبال ڈے کی چھٹی تو ہوتی ہے۔ اس چھٹی کے لیے ہم اس دن کی آرزو کرتے ہیں اور جو دن ہمارے گناہوں کی برأت کا اور شافع محشر کا دن ہو۔ اس کی محبت کو یاد کرنے کا دن ہو اور اپنے نقائص سے فروگذاشت کرنے کا دن ہو، اسے بدعت کہتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ انسان کبھی گنہگار نہیں ہوتا، جو پشیمانی محسوس کرے اور توبہ کرے۔ اگر آپ کے دل میں یوم پیدائش رسول اللہؐ ایک ذرہ برابر اللہ کا شکر پیدا کر جائے کہ اے میرے مالک و کریم! آج تو نے میرے آقا اور رسولؐ کو پیدا کر کے مجھے کتنی جہالتوں سے نجات بخشی ہے۔ مجھے اپنے ساتھ کتنی امیدیں بخشی ہیں، تو شاید اسی میں آپ کی نجات ہو جائے۔ آپ جلسے کریں نہ ہنگامے کریں۔ اس خرافات میں نہ پڑیں، جن کو میں نے دیکھا۔ ایک جلوس نکلا ہوا ہے۔ ادھر دیوبندی ہے، اُدھر بریلوی ہے۔ بریلوی خرافات میں مصروف ہیں اور دیوبندی اس سے بڑھ کر خرافات میں مصروف ہیں۔ جب جلوس پاس سے گزر رہا ہے، تو وہ بار بار کیسٹ چلا رہے ہیں۔ اعوذ باللہ مین الشیطان الرجیم. اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بھئی اگر وہ شیطان ہیں، تم تو انسان ہو۔ اگر دونوں ہی فساد کی راہ ڈھونڈ رہے ہو، تو میلاد نہیں ہو سکتی۔

میلاد کوئی مخصوص اور نرالی چیز نہیں ہے۔ یہ بدعت بھی نہیں ہے۔ بدعت تو تب ہوتی، حضورؐ نہ پیدا ہوئے ہوتے اور آپ مناتے۔ یہ تو رسول اللہؐ کی سالگرہ ہے۔ ہو سکتا ہے، سالگرہ منانا آپ کو پسند نہ ہو۔ میں تو بڑا خوش ہوتا۔ کیوں کہ مجھے رسول اللہؐ نے یہ بتایا کہ اللہ کو دو چیزیں سب سے زیادہ پسند ہیں۔ ایک حسن کلام، اچھا اخلاق اور دوسرا حسن طعام۔ یعنی اچھا کھانا کھلانا۔ اتفاق سے دیکھیں کہ سالگرہ کے موقع پر آپ کو بڑی مہمان نوازی کا موقع ملتا ہے۔ آپ رشتہ دار اور دیگر لوگ بلاتے ہیں۔ اچھا اخلاق برتتے اور کھانا کھلاتے ہیں، مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔ مجھے تو سالگرہ بری نہیں لگتی۔

اسی طرح یوم ولادت رسول اللہؐ ہے۔ میں نے اپنا ثواب اس میں جانا کہ اپنے باپ کی خدمت میں ہدیہ تبرک پیش کیا۔ کچھ پکایا، کچھ پڑھا، کچھ ذکر کیا اور اس کا ثواب ان کو بخشا۔ بیشتر باپوں کی اولاد جنت میں صرف اس لیے چلی گئی کہ جب اللہ نے باپ سے پوچھا، تو بے چین کیوں

ہے؟ اس نے کہا، میں تو جنت میں بھی آ کے پریشان ہوں۔ انہوں نے کہا، کیوں پریشان ہو؟ کہا، اللہ میاں تم نے میرے بچے جہنم میں پھینک دیئے، میں کیسے خوش ہو سکتا ہوں؟ یار ٹھیک ہے، اس کی وجہ سے اس کے بچے بھی لے آؤ۔ تو یہ تو نسبتوں کے سوال ہیں۔

ہم اپنے باپ کے لیے درجات کی بلندی مانگ لیں، تو درجات تو ان کے اتنے بلند ہیں کہ ہمارے ذہن سے ہی بالاتر ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، جب تم نماز کی اذان سن لو، تو میرے لیے دعا کرنا۔ آپ نے فرمایا، جنت میں ایک مقام ہے۔ یہ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے۔ اس مقام کا نام مقامِ وسیلہ ہے۔ جس وسیلے سے آپ سب انکار کرتے ہیں۔ میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مقام مجھے عطا کیا جائے گا۔ تم بھی میرے لیے مقامِ وسیلہ کی دعا کیا کرو۔ جب اذان کے بعد آپ دعا کرتے ہیں۔ چاہے دیوبندی یا بریلوی کرے یا وہ اہلحدیث ہو، تو مقامِ محمود، مقامِ شفاعت اور مقامِ وسیلہ کی دعا کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو میلاد کچھ نہیں۔

یہ میں آپ کو بتا دوں، یہ ایک ذاتی معاملہ ہے۔ کوئی کسی کو زبردستی نہیں یاد رکھ سکتا۔ اگر آپ کو یاد آتے ہیں، تو آئیں گے۔ نہیں یاد آتے، تو نہ آئیں گے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ خیرات میں بھلائی ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اللہ اور رسول اللہؐ کے اچھے بندے ہیں۔ رسولؐ کے اچھے تابع ہیں، تو پھر آپ کو اس دن کا خیال کرنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی بہتر کام کروں، جس سے میرا خدا اور میرا رسولؐ راضی ہو۔ اس سے زیادہ میلاد کی کوئی حیثیت نہیں۔ اجماع تو اسی وقت اس کو منائے گا، جب اخلاق بانخگی سے پرہیز کرے گا۔ جب اپنے بھائیوں کی مدد کرے گا اور ان کی خدمت سرانجام دے گا۔ یہ میں نے نہیں دیکھا کہ میلاد والے دن لوگ اٹھیں، یتیموں کے گھر ڈھونڈیں۔ کپڑے سئیں اور بے لباس کو لباس دیں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ لوگ قرض داروں کے قرض اتاریں جو کہ ہونا چاہیے۔

واقعہ معراج کی حقیقت

معراج کے دو بڑے سوالات ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا یہ بدنی معراج تھی؟ اور کیا رسول اللہؐ نے اپنے رب کو دیکھا؟ دوسرا گروپ یہ کہتا ہے کہ جبریل امین کو دیکھا۔ اگر میں پہلے قول پر یقین رکھوں کہ یہ معراج بدنی نہیں تھی اور یہ کہ رسول اللہؐ نے جبریل امین کو دیکھا، تو یہ معراج تھی ہی

نہیں۔معراج ایک ایسی سیڑھیوں کی تکمیل ہے، جو اپنی انتہا تک پہنچتی ہیں۔معراج درجات کی بلندی ہےاور انتہا ہے۔ان تمام درجات کی، جو انسانوں پر وارد ہوئیں۔اگر رسول اللہؐ بدنی طور پر آسمانوں پر نہیں گئے، تو اس میں کوئی رسول اللہؐ کا کمال نہیں۔اس لیے کہ خواب میں کائنات کے آسمان، خدا، جنت اور جہنم دیکھ لینا ایسی کون سی کمال کی بات ہے؟ اس دنیا میں چھ ارب لوگوں میں سے کم از کم آپ کو ساٹھ ہزار آدمی ایسے مل جائیں گے، جنہوں نے یہ معراج حاصل کی ہو۔جس نے جنت اور خواب میں دوزخ دیکھی ہوئی ہو۔ممکن ہے، ملائکہ سے بھی ملاقات کی ہو۔

ابھی کچھ دن پہلے ایک صاحب نے مجھے کہا کہ اس نے خواب میں خدا بھی دیکھا۔تو اس میں قطعاً کوئی صفت پیغمبر نہیں پائی جاتی۔اگر خواب میں خدا کو دیکھنا صفت ہوتی، تو ابوجہل، ابوبکرؓ کو کہنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتا کہ آج تیرا پیغمبر نرالا دعویٰ لے کر آیا ہے۔اگر رسول اللہؐ نے خواب دیکھا تھا اور خواب میں وہ آسمانوں پر بلند ہوئے تھے، تو پھر ابوجہل کو کیا ضرورت تھی کہ آج ہر قیمت میں ابوبکرؓ جھٹلائے گا۔اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ حقیقت کے آدمی تھے۔وہ اپنی قوم کے سیانے، عملی اور سچے آدمی تھے۔جھوٹ کو برداشت نہیں کرتے تھے۔

فرض کریں، ابوجہل حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلا جاتا اور کہتا کہ آج تیرے پیغمبر نے یہ خواب دیکھا ہے، تو اس نے اعتراض کیا کرنا تھا؟ مگر وہ تو ابوبکرؓ کا صدق اور یقین رسول اللہؐ پر آزمانے جارہا تھا اور اس نے جا کے سیدھا حضرت ابوبکرؓ سے کہا، تیرا پیغمبر کہہ رہا ہے کہ میں پلک جھپکنے میں ساتوں آسمان عبور کر کے ملاءِ اعلیٰ پر پہنچ گیا ہوں اور سدرۃ المنتہیٰ پر جا کے لوٹ آیا ہوں۔بتاؤ، یہ بات سچی ہوسکتی ہے؟ انہوں نے کہا، کس نے کہا ہے؟ اس نے کہا محمد رسول اللہؐ کہہ رہے ہیں۔انہوں نے کہا، اگر وہ کہتے ہیں، تو سچ کہتے ہیں۔اسی دن سے سیدنا عبداللہ بن قحافہ کا نام صدیق پڑا۔حضورؐ نے فرمایا، ہر نبی کا ایک صدیق ہے اور میرا صدیق عبداللہ بن قحافہ ہے۔

اب دوسری بات، حضرت عیسیٰ کمال درجات پر پہنچے۔حضرت موسیٰ کو اللہ میاں نے کال کیا۔ذرا اور پیچھے چلے جایئے۔حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے کہا کہ میں نے ابراہیم کو آیات کبریٰ دکھائی ہیں۔آیات کبریٰ اور آیات الٰہی کیا ہیں؟ وہ تمام غیبی آثار ابراہیم کو دکھائے گئے، جو کسی بھی صورت ممکن نہ تھے۔ان میں فرشتے زمین پر چلے آرہے ہیں۔سلام دعا لے رہے ہیں۔آکر ابراہیمؑ سے مصافحہ فرما رہے ہیں۔سارہ خاتون پر سلام بھیج رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ابراہیم

تیاری کرو۔ بھئی کدھر آ رہے ہو؟ جی ہم تو قوم لوط کی طرف جا رہے ہیں۔ فرمایا، ادھر تو میرا بھائی لوط بھی ہے۔ کہا، ان کو بچا لیا جائے گا۔ یہ ایک نارمل واقعہ نہیں ہے۔ ملائکہ کا زمین پر اترنا، بندوں کے ساتھ باتیں کرنا، نیکی کے ساتھ گپ شپ لگانا، ملائکہ کی دعوت کے لیے ابراہیمؑ کا بچھڑا ذبح کرنا اور ملائکہ کا کہنا کہ ہم فرشتے ہیں، کھانا نہیں کھاتے۔ یہ معمول کا واقعہ نہیں ہے۔

ابراہیم گئے، موسیٰ آ گئے۔ صبح شام جبریل آ جا رہے ہیں۔ ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ حتیٰ کہ موسیٰ کی تسلی ہی نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا، اللہ میاں! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ نے کہا، دیکھ! تو نہیں دیکھ سکے گا۔ میں تو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہا، اچھا اس پہاڑ کو دیکھ۔ اس پر میں ذرہ برابر اپنا جاہ و جلال اور جمال ڈالوں گا، جو میں ہوں۔ یہ یاد رکھیے، اللہ نے پہاڑ پر کوئی جعل سازی نہیں کی۔ کوئی چمکار نہیں دکھایا۔ بلکہ کہا، اے موسیٰ! میں ذرا سا اپنا جاہ و جلال اس پہاڑ طور سینا پر ظاہر کر رہا ہوں۔ اگر وہ تو نے تھوڑا سا دیکھ لیا، تو تو مجھے دیکھ پائے گا۔ پھر وہ زلزلہ آیا۔ دھماکہ ہوا۔ موسیٰ بے ہوش ہو گئے۔ مگر لوگ کہتے ہیں، موسیٰ نے خدا کو نہیں دیکھا۔ کیا خیال ہے آخر وہ کیا دیکھ کے بے ہوش ہوئے؟ وہ اللہ ہی تو تھا، جس کا نور دیکھ کے بے ہوش ہوئے۔ ابھی صرف جھلک ہی دیکھ پائے تھے۔

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

ابھی تو اللہ پوری طرح ظاہر ہو ہی نہیں پایا۔ ذرا سی جھلک دکھائی رخ انور کی اور موسیٰ گئے حواس سے۔ اللہ میاں نے کہا، چلو تجھے ایک اور بڑی نعمت دیتا ہوں۔ تو مجھے نہیں دیکھ سکا نہ سہی، مگر تجھے کلیم کا میں دعویٰ دے دیتا ہوں۔ تو مجھ سے کلام کر لے۔ یہ بڑا رتبہ ہے پیغمبروں میں۔ پہلے کسی سے براہ راست کلام نہیں کیا۔ تو بڑا عظیم المرتبت نبی ہے۔ تو مجھے بہت پسند ہے۔ میں تجھ سے کلام کر لیتا ہوں۔ سو اللہ نے اس سے کلام کیا اور کلام معراج مقام موسوی ٹھہرا۔

مگر اس پوری زمین پر کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ ہے۔ کیونکہ اس پوری زمین پر کسی شخص نے اللہ کو بالمشافہ نہیں دیکھا ہوا تھا۔ کوئی شخص خدا پر شاہد نہ تھا۔ نذیر ضرور تھے، شاہد کوئی نہ تھا اور شاہد بذاتہ وجود سے شہادت دیتا ہے کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے۔ موسیٰ کا جگر تو نہیں چیرا گیا تھا۔ ان کو انشقاق قلب نہیں ہوا تھا۔ ان کے دل میں صفائی نہیں ہوئی تھی۔ جب

محمد رسول اللہ کو بلایا گیا، تو ایک ایسا اعزاز بخشا گیا، جو پہلے کسی کو حاصل نہ تھا۔ کلام اگر موسیٰ کو بخشا گیا، تو جبریل عیسیٰ کو بخشے گئے۔ جبریل کوئی زائل شے نہیں تھے۔ جبریل عیسیٰ کو بخشے گئے وایـدنٰـہ ھو بروح القدس (پ ا س البقرہ، آیت ۸۷) جبریل ہی ہیں یا روح القدس؟ روح القدس کا یہ عالم تھا کہ عیسیٰ کے ساتھ ساتھ لگے پھرتے تھے۔ عیسیٰ کی جگہ لوگوں کو زندہ کرتے تھے۔ کوڑھیوں کو صحیح کرتے تھے۔ برص کے مرض کو دور کرتے تھے۔ ان کے جنون اور سرسام کا علاج کرتے تھے۔ ہر جگہ حضرت جبریل امین عیسیٰ کے ساتھ تھے۔ اس میں کون سا بڑا کمال تھا؟ اگر رسول اللہؐ یہ کہتے کہ معراج، معراج جبریل تھا۔ مگر یہ معراج حضرت عیسیٰ کو نصیب تھی۔ یہ کمال نبوت مصطفےٰ نہ تھا۔ سو اللہ نے دلیل اور محبت تمام کرنے کی خاطر یہ اہتمام کیا، تا کہ پوری بنی نوع آدم میں سے ایک انسان یہ شہادت دے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے، اپنے خیال سے اللہ کو دیکھا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا ہوتا ہے کہ کیسے؟

وہ کچھ اس طرح سے آئے مجھے اس طرح سے دیکھا
میری آرزو سے کم تر میری تاب سے زیادہ

اب یہ اللہ پر منحصر تھا کہ وہ کس انداز میں آئے گا۔ اس کو اپنے بندے کی استطاعت، اس کی طاقت، علم و حکمت اور اس کے وژڈم پر اسیس کا علم تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ کا ظرف کیا تھا؟ مجھے اقبال کا ایک شعر بہت پسند ہے۔ وہ ایک ہلکا سا تقابل حضرت موسیٰ اور رسول اکرمؐ میں ہے۔

تو بر نخل کلیم بے تحاشہ آتش ریزی

کہ جب موسیٰ نے تجھے دیکھنے کی آرزو کی، بر نخل کلیم۔ تو تو کلیم کے درخت پر آگ بن کے گرا۔

تو بر نخل کلیم بے تحاشہ آتش ریزی
تو بر شمع یتیم صورت پروانہ می آئی

اور یتیم کی شمع پر تو خود پروانے کی طرح آیا۔

میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں تمام صحابہ کے ساتھ اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ رسول اللہؐ بدن سے معراج پا گئے اور انہوں نے حضور یزداں میں جگہ پائی۔ اللہ کو دیکھا اور شہادت اول و آخر مکمل کی۔

یہ اس لیے بھی تھی کہ اس کے بعد اللہ پر کسی شہادت کو نہیں آنا تھا۔ اب شہادت کلام اور شہادت ملائکہ نہیں چاہیے تھی۔ شہادت رویت یزداں مراد تھی اور یہ وہ رسول اللہ کو عطا ہوئی۔ اس میں قطعاً کسی شبے کی گنجائش نہیں ہے۔

معراج کا یہ دوسرا پہلو ہے کہ اللہ نے قرآن میں کہا، اے گروہ جن وانس! اگر تم کوشش بھی کرو، تو اقطار السماوات سے نہیں گزر سکتے۔ الا بسلطان ہاں مگر سلطان کے ساتھ، دلیل غالب اور حکمت غالب کے ساتھ۔ ابھی تک زمین وآسمان اور کائنات میں کوئی انسان ان ساتوں افلاک اور ساتوں کائنات سے نہیں گزرا۔ بہت سے پیغمبر بھی گئے۔ کوئی آسمان اول پر کوئی دوئم پر۔ مگر ان پیغمبروں میں سے کسی نے بھی اقطار السماوات سے آگے گزر نہیں کی۔ مگر اس میں الا بسلطان کی کوئی دلیل ضرور چاہیے تھی۔ زمین پر ایک ایسا انسان ہے کہ جو یہ دعا مانگتا ہے رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و جعل لی من لدنک سلطان نصیرا (پ ۱۵، س بنی اسرائیل، آیت ۸۰) اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے سلطان نصیر عطا فرما اور یہ وہ سلطان نصیر ہے کہ زمین پر ایک شخصیت بغیر کسی راکٹ اور کسی انسٹرومنٹ کے ایسے مقام سے بھی آگے گزر گئی، جہاں جبریل امین بھی رہ جاتے تھے اور شکایت کرتے تھے کہ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھا، تو میرے پر جل جائیں گے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ لوگ کہیں، رسول اللہؐ نے جبریل کو دیکھا اور جبریل یہ کہہ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! اگر مقام سدرۃ المنتہٰی سے ایک بال بھی آگے بڑھا، تو فروغ تجلی بسوزد پرم۔ اللہ کی تجلی میرے بال و پر جلا دے گی۔ آپ نے فرمایا، میں آگے جا رہا تھا کہ مجھے اور ملائکہ ملے۔ فرمایا، میں نے عرش کے نیچے لوح وقلم کے فرشتوں کی کلک کی آوازیں سنیں، جو وہ لکھ رہے تھے۔ یہ اتنا بڑا جہان، اتنی بڑی دنیا، اتنی بڑی کائنات اور اس میں صرف ایک ہی شخص مراد کائنات، مراد زندگی اور مراد پروردگار تھا۔ اللہ اپنے بندے کو یہ رنگ بھی نہیں دے سکتا، تو کس نے دینا تھا؟

حضورؐ پر جادو

رسول اللہ کی حیات مبارکہ میں ایک ذرہ برابر بھی غلط فہمی اور کم علمی کا شائبہ نہیں ہے۔

کوئی بات سرکار رسالت مآبؐ نے ایسی نہیں کہی، جس کے نتائج اور جس کے علمی فوائد امت کے لیے عمومی نہیں۔ لوگ بہت سوال کرتے ہیں کہ حضورؐ پر جادو کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ اور اگر حضورؐ پر جادو ہو سکتا ہے تو پھر عام بندوں کی اس میں کیا حیثیت ہے؟ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر ایک بہت بڑا استاد، جس نے قیامت تک کے لیے انسانوں کے لیے علم و تعلیم میں آخری حرف چھوڑنا ہو، کیا وہ ایک چیز کی حقیقت کو جانے بغیر اس کا علم دے گا؟ کیا کوئی ایسا استاد اچھا استاد کہا جا سکتا ہے، جس کو ایک چیز کا علم نہ ہو اور وہ علم کے بارے میں گفتگو کرے؟ یہ یاد رکھیے کہ رسول اللہؐ کی ہی ایک حدیث مبارک ہے کہ بہترین علم یہ نہیں کہ میں جانتا ہوں۔ بہترین علم یہ ہے کہ جب کسی بات کا پتہ نہ ہو تو کہے، میں نہیں جانتا۔ ایسا بڑا استاد اگر سحر کے بارے میں گفتگو کرتا اور وہ سحر کے اثرات کو نہ جانتا ہوتا، تو پھر آپ اس استاد کو کیا کہتے؟

واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضورؐ نے رہتی دنیا تک اپنی امت کے لیے جادو، اس کی علامات اور اس کے اثرات کے بارے میں آپ تک علم چھوڑنا تھا۔ اس لیے حضورؐ پر جادو نہیں ہوا، بلکہ حضورؐ کے باطن سے جادو گزارا گیا۔ اگر اللہ اور جبریل کے ہوتے ہوئے جادو ہو جاتا، تو پھر اللہ کی کیا حیثیت تھی اور جبریل کی کیا حیثیت تھی؟ پھر ان ملائکہ، مقربین کی کیا ضرورت تھی؟ ان کی کس ضمن میں بڑائی ہوتی۔ اگر خدا کے ہوتے ہوئے شیطان رسول اللہ پر دسترس حاصل کر لیتا؟

واقعہ یہ ہے کہ بحیثیت ایک بہت بڑے استاد کے حضورؐ کی حدیث مبارک ہے کہ سب سے بڑا سخی اللہ خود ہے اور سب سے بڑا سخی پھر میں ہوں، جو لوگوں کو علم دیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ عالم ہے، جو اللہ کے لیے لوگوں کو علم دیتا ہے۔ کائنات میں جادو اور سحر کا وجود تو ہے۔ جنات کی گرہیں، جیسے قرآن کی آیت بھی بتاتی ہے گرہیں لگانے والی عورتیں اور حاسدوں کے حسد میں جادو ہے۔ اسی طرح غیبت کرنے والوں کی غیبت میں جادو ہے۔ حضورؐ سے بہت پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بھی یہ واقعے ہوئے۔ کسی پیغمبر نے سحر یا جادو کے مظاہرات نہیں پیچھے چھوڑے۔ پہلی دفعہ قرآن حکیم میں موسیٰؑ کے ضمن میں اللہ نے واضح کہا کہ اصل میں جادو کا اثر خیال اور یادداشت پر ہے۔ اس چیز کو حقیقی سمجھنا جو حقیقی نہیں ہے۔ جیسے جادوگران قوم موسیٰ نے رسیاں بانٹ رکھی تھیں۔ رسیاں کیوں حرکت میں آئیں، اس کی منطق موجود تھی۔

اخبار میں خبر پڑھنے کو ملی کہ ہندوؤں نے مسلمانوں پر غالب آنے کے لیے ویدانت کے منتروں سے استفادہ کرنے کا سوچا ہے۔ ویدانت کے منتروں میں کچھ تراکیب ایسی ہیں، جنھیں ہمارے سنیاسی بھی جانتے ہیں۔ ایک سنیاسی مجھ سے ملا۔ اس نے کہا، اگر بستر پر بچے پیشاب کر دیتے ہیں اور اس کو روکنا ہو تو جنگلی کبوتر کی بیٹھیں ابال کر اس کو پلا دو، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب میں نے سنیاس تو لیا ہوا نہیں ہے، نہ بن باس لیا ہوا ہے۔ اس نے طریقہ مجھے بتا دیا۔ درد گردہ کا بھی طریقہ میں نے اس سے سیکھا۔ مگر وہ آدمی نروس کا علاج نہیں کر سکا۔ اس کو انتہائی شدید تکلیف ہوتی تھی۔ وہ یورالوجی کا مریض تھا۔ چیختا چلاتا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا، پروفیسر صاحب! اگر آپ میری یہ تکلیف کچھ ٹھیک کر دیں، تو میں آپ کو بڑے بیش قیمت نسخے بتاؤں گا۔ مجھے تو ضرورت نہیں تھی۔ سو اس نے مجھے بڑے بیش قیمت نسخے بتائے۔ ان میں سے دو میں نے آپ کی نذر بھی کر دیے۔ چاہے آپ بیٹھیں ابالیں نہ ابالیں، میں نے ان پر عمل نہیں کیا۔

سنیاس پن کا ایک نسخہ میں ڈاکٹروں کو بہت بتاتا ہوں۔ کہتا ہوں، میں نے یہ نسخہ سنا اور یہ اتنا خطرناک مرض کا ہے، جس کا علاج کوئی نہیں ہے۔ جسے آپ رعشہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک بندہ صحت یاب ہوتے دیکھا۔ اس کا ہاتھ کانپتا تھا۔ پیالی تھامے نہیں تھمی جاتی تھی۔ یہ تو نے کیسے کیا؟ اس نے بتایا کہ میں نے کرات مرغا لیا۔ اب کسی کو کیا پتہ، کرات مرغا کیا ہوتا ہے؟ اب دیکھیں، اس ٹرمنالوجی میں بھی اسرار ہے۔ کرات مرغا اس کو کہتے ہیں، جس کی چونچ اور پاؤں سیاہ ہوں۔ پھر اس نے کہا، میں نے آک کا دودھ لیا۔ اس میں کرات مرغے کے پاؤں کی ساری ہڈیاں دودھ میں بہت سارا جمع کر کے ڈال لیں۔ اس کو گرم کیا۔ اتنا گرم کرو کہ مرغے کی ہڈیاں پس جائیں۔ دودھ خشک ہو جائے اور سفوف بن جائے۔ اس سفوف کا ایک چچ صبح، ایک دوپہر اور ایک شام کو لیں۔ پرکنسن ختم ہو جائے گی۔ چونکہ میں نے اس کی پرکنسن ختم ہوتے دیکھی ہے، اس لیے میں اس پر گواہ ہوں۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ اس کا اثر دیرپا ہے یا نہیں۔

بہت بڑے عالم اور استاد کی یہ شان نہیں ہے کہ ہوائی باتیں کرے۔ رسول اللہؐ کے باطن سے جادو گزارا گیا اور جب جادو گزارا گیا تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جادو کا اثر یہ ہے کہ آدمی بھولنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک خیال سے بہت زیادہ چپک جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ اپنی بیویوں کی باری بھول جاتے تھے۔ اب آپ پھر قرآن کی بات یاد کیجیے کہ خدا کہتا ہے

فیتعلمون منھما مایفرقون بین المرء والزوجه (پ ۱، س البقرہ آیت ۱۰۲) ان کے مقاصد یہ ہیں کہ تعویذ حب دے دیا۔ تعویذ بغض دے دیا۔ میاں بیوی میں فرق ڈال دیئے۔ دوسروں کے کام بگاڑ دیئے۔ رسول اللہؐ پر جب جادو ہوا، تو یہ اس کا عملی مظاہرہ تھا۔ یہ دکھانے کے لیے کہ اثرات ہوتے ہیں۔ باریاں بھول گئے یا انہوں نے محسوس کیا کہ کچھ چیز یاد آ رہی ہے۔ نماز میں وقفے بڑھ گئے۔ جب حضورؐ کو نجات دی گئی، تو حضورؐ ایک ایسے عالم باعمل تھے، جن کو پتہ تھا کہ سحر کیا ہے۔ اس کے اثرات کیا ہیں اور یہ بندوں پر کس طرح عمل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا علاج دے دیا یعنی سورہ الناس اور سورہ الفلق اور فرمایا کہ آسمان کے عرش کے نیچے سے مجھے دو سورتیں ایسی شاندار چمکتی ہوئی عطا ہوئیں۔ اس سے پہلے دفع سحر کے لیے حضورؐ بہت ساری آیات پڑھتے تھے مگر جب الناس اور الفلق اتریں، تو حضورؐ ان پر اکتفا فرماتے تھے۔

پیغمبر پر اس طرح جادو نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایک عالم کے علم کا تجربہ ہے۔ اس تجربے کو آپ تک انہوں نے پہنچایا۔ انہوں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی، جس کے بارے میں ان کو مکمل علم نہ تھا یا جس کے بارے میں علم نہ ہو۔ حضورؐ کی ہدایت ہے کہ یہ ضرور کہو کہ عالم وہ ہے، جو یہ نہ کہے کہ مجھے ہر بات کا علم ہے۔ بلکہ وہ ہے، جو یہ کہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے۔ خدا اس کو بہتر جانتا ہے۔